

فقیہ اجماع کا مقام

فقہ اور اسلامی قانون کے عظیم ماہذاجماع اور اُس کی اقسام اور
مرتبہ کا دل نشیں تعارف اور محبت اجماع پر محققانہ بحث

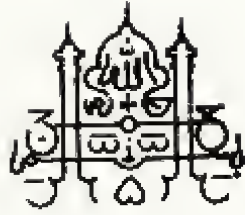
مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ادارۃ المعارف دہلی

فہرست مضامین

”فہم میں احب سماع کا مقام“

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	معنوی ہیں۔	۳	دسیا چہ
۴۳	”الجماعۃ“ اور ”سواد اعظم“ سے کیا مراد ہے ؟	۸	اجماع کے لغوی اور اصطلاحی معنی
۴۸	حجیتِ اجماع پر چند آثار صحابہؓ	۹	اجماع کو خود قرآن و سنت نے حجت قرار دیا ہے۔
۵۰	اجماع کا فائدہ اور سندِ اجماع	۱۰	حجیتِ اجماع پر آیاتِ مشرانہ
۵۲	چند مثالیں	۱۴	فقہاء کا اختلاف اس حکم کے منافی نہیں
۵۵	اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے ؟	۱۶	حجیتِ اجماع پر احادیثِ متواترہ
۵۷	اس سلسلہ میں جھوٹے کا مذہب	۱۷	تواتر کی حقیقت
۶۳	اجماع کی قسمیں	۱۸	خبر متواتر کا فائدہ
۶۵	اجماع کے مراتب	۲۰	احادیثِ متواترہ
۶۶	نقلِ احب سماع	۲۱	خبر متواتر کی دو قسمیں
۶۸	ماخذ (جن کتابوں سے اس مقالے میں مدد لی گئی اُن کا مختصر تعارف)	۲۳	آمدِ برسرِ مطلب
		۲۴	حجیتِ اجماع کی احادیثِ متواترہ



دُیْبَ اِچَہ

زیرِ نظر مقالہ کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ احقر کی ایک اور زیرِ تالیف کتاب کا حصہ ہے جس میں فقہ اور اس کے مآخذ کا مفصل تعارف کرایا گیا ہے، اُس کتاب کی تکمیل میں تو ابھی وقت لگے گا، مگر اُس میں ”اجماع“ اور اس کی اقسام و مراتب کا تعارف کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگیا تھا، خصوصیت سے اجماع کی ”مُجْتَمِعِ“ پر بحث ایک حد تک جامعیت اور اختصار کے ساتھ آگئی۔ چونکہ ”اجماع“ پر اردو میں بہت کم لکھا گیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کا یہ حصہ الگ بھی ایک رسالے کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ اگرچہ اجماع پر اس زمانے میں جس شرح و بسط کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہے وہ ضرورت تو اس مختصر رسالے سے پوری نہ ہوگی، تاہم نہ ہونے سے کچھ ہو جانا بہتر ہوتا ہے، اس لئے اپنی علمی کم مائیگی اور کوتاہی بیان کے شدید احساس کے باوجود اسے ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

اسلامی قانون اور فقہ کے لئے ”اجماع“ کا حجت ہونا پوری امت کا مسئلہ اور متفقہ عقیدہ رہا ہے، صحابہ و تابعین اور تمام ائمہ مجتہدین فقہی مسائل

میں ”اجماع“ سے استدلال کرتے ہیں، اور اجماع کو فقہ کے تیسرے مأخذ کے طور پر ایسی بدیہی حقیقت سمجھا گیا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اس کی ”حجیت“ ثابت کرنے کے لئے دلائل بیان کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

پھر جب مسلمانوں میں فرقے پیدا ہوئے، اور بعض باطل فرقوں نے اسے ”حجّت“ ماننے سے انکار کیا تو اہل حق کو پھوٹ سے بچانے، اور اسلامی احکام کے تحفظ کے لئے حجیتِ اجماع پر قرآن و سنت کے دلائل واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مسئلہ پر سب سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی توجہ دی، اور اپنی گرانقدر تصانیف میں اجماع کی حجیت پر دلائل بیان فرمائے۔ مشہور امام حدیث ”حاکم نیشاپوری“ نے اپنی معروف کتاب ”المستدرکات“ میں ”حجیتِ اجماع“ پر ایک مستقل باب قائم فرمایا۔ اور بعد ازاں اصول فقہ کی تقریباً سب ہی اہم کتابوں میں ”حجیتِ اجماع“ پر دلائل کا بیان تفصیل سے ہوتا آ رہا ہے۔ ناچیز راقم الحروف نے انہی بزرگوں کے بیان کردہ مباحث کو اختصار کے ساتھ آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان دلائل میں آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث بھی آپ کے سامنے آئیں گی، جن کو تمام علماء و محققین نے ”متواتر معنی“ قرار دیا ہے، اور تمام اہل عقل کا اتفاق ہے کہ ہر خبر متواتر ”بالکل یقینی اور قطعی“ ہوتی ہے، یعنی اس سے کسی کے قول یا واقعہ کا بالکل ایسا ہی قطعی یقین حاصل ہوتا ہے، جیسا اس قول کو خود مکمل سے سنتے یا اس واقعہ کو خود دیکھنے سے حاصل ہوتا۔ لہذا حجیتِ اجماع پر یہ احادیث بہت وزنی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کہ یہ احادیث واقعی ”متواتر“

ہیں، یہ تحقیق سامنے لانے کی ضرورت تھی کہ ان احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد کتنی زیادہ ہے؟ یعنی ان احادیث کو کن کن صحابہ کرام نے روایت کیا ہے، اور ان کی مجموعی تعداد کیا ہے؟ کیونکہ کسی حدیث کو ”متواتر“ جب ہی کہا جاسکتا ہے، جب اسے روایت کرنے والوں کی تعداد عہد رسالت سے اب تک ہر زمانے میں اتنی زیادہ رہی ہو کہ وہ ”حدّ تواتر“ کو پہنچی ہوئی ہو، یعنی وہ تعداد اتنی زیادہ ہو کہ عقل یہ باور نہ کرے کہ وہ سب کے سب (نعوذ باللہ) سازش کر کے جھوٹ بولتے رہے ہوں گے، یا سب کو یکساں مغالطہ لگ گیا ہوگا۔

حجیتِ اجماع کے اس خاص پہلو پر سجدۂ سبحان جو تحقیق اس مقالے میں آگئی ہے وہ ناچیز کو کہیں اور یکجا دستیاب نہ ہوئی تھی اور عرصے سے تمنا تھی کہ اس پہلو پر تحقیق کی جائے۔ اور یہی اس مقالے کی خصوصیت ہے کہ جن احادیث نبویہ سے حجیتِ اجماع پر استدلال کیا گیا ہے ان میں سے ہر حدیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کے اسماء گرامی کی نشاندہی مفصل حوالوں کے ساتھ اس میں کر دی گئی ہے۔ اس پوری تحقیق کے نتیجے میں ان احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کی جو تعداد اب تک سامنے آئی ہے وہ چوالیس ہے۔ جن میں سے پانچ صحابہ کرام اس مقدس جماعت کے افراد میں جن کو ”عشرہ مبشرہ“ کہا جاتا ہے، یعنی جن کے جنتی ہونے کی خصوصی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ان پانچ میں چاروں خلفائے راشدین بھی داخل ہیں۔ پھر ان صحابہ کرام سے ان احادیث کو روایت کرنے والوں کی تعداد بعد کے ہر زمانے میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے۔ لہذا ان احادیث کے ”متواتر“ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ الحمد

اس رسالے کا پہلا ایڈیشن ربیع الاول ۱۳۹۹ھ (فروری ۱۹۷۹ء) میں شائع ہوا تھا، جس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں، اب طبع ثانی کے

وقت ان کی تصحیح کے ساتھ متعدد مقامات پر ترمیم و اضافہ کی نوبت بھی آئی، خصوصاً اس مرتبہ ”تواتر“ اور ”حدیث متواتر“ کی حقیقت، اور اس کی اقسام کا بیان بھی سیر حاصل تشریح کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔ واللہ الحمد اولاً و آخراً۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو نافع بنا کر شرف قبولیت سے نوازے اور
 ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ وهو المستعان وعليه التكلان۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ وعن والدہ

خادم دارالعلوم کراچی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

بروز جمعہ المبارک



نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



فقہ کا ہر مسئلہ اور اسلامی قانون کی ہر دفعہ اپنے ثبوت کے لئے شرعی دلیل کی محتاج ہے، قانون یا فقہی مسئلہ جب تک کسی نہ کسی شرعی دلیل سے مآخوذ اور ثابت نہ ہو اسے نہ ”فقہی مسئلہ“ کہا جاسکتا ہے نہ ”اسلامی قانون“ بلکہ شرعی دلیلیں۔۔۔۔۔ جن کو اصول فقہ کی اصلاح میں ”احکام شرعیہ کے دلائل“ کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ صرف چار ہیں، قرآن حکیم، سنت، اجماع اور قیاس۔ فقہ کا ہر مسئلہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے مآخوذ ہوتا ہے، یا سنت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل) سے، یا اجماع سے، یا کسی مجتہد کے قیاس سے۔ فقہ کی پوری عظیم الشان عمارت انہی چار بنیادوں پر قائم ہے، اور انہی کو ”مآخذ فقہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

فقہ کے ان مآخذ سے شرعی احکام کس طرح مستنبط (دریافت) ہوتے ہیں؟ اس کے اصول و قواعد ”علم اصول فقہ“ میں بیان کئے گئے ہیں، جو نہایت دلچسپ مگر مشکل فن ہے، اسی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے

۱۔ فقہ کا مفہوم ”اسلامی قانون“ کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے، اسلامی قانون فقہ ہی کا ایک حصہ ہے، اس لئے آگے ہم دونوں کے لئے صرف لفظ ”فقہ“ استعمال کریں گے۔

کہ ان مآخذ سے شرعی احکام کا استنباط (دریافت) وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجتہدانہ صفات سے نوازا ہو، عربی زبان اور مآخذ فقہ میں گہری بصیرت و مہارت کے علاوہ تقویٰ و پرہیزگاری اس کا شعار ہو، اعلیٰ درجہ کی ذہانت، بلند پایہ قوتِ حافظہ، معاشرہ کے حالات پر نظر اور ضروریاتِ زمانہ سے واقفیت رکھتا ہو۔

پھر ان چار میں سے بھی اصل مآخذ صرف قرآن^۱ و سنت^۲ اور اجماع^۳ ہیں، قیاس ان تینوں کے تابع اور انہی سے مآخوذ ہوتا ہے، چنانچہ کسی مسئلہ کا جو حکم قرآن و سنت یا اجماع میں موجود ہو اس میں قیاس کے ذریعہ کسی قسم کا تغیر و تبدل جائز نہیں، قیاس کے ذریعہ صرف ان مسائل کا شرعی حکم دریافت کیا جاتا ہے جن کا حکم قرآن و سنت اور اجماع میں نہ مل سکے، جب ایسا کوئی مسئلہ پیش آجائے تو قرآن و سنت اور اجماع میں اس کی نظیر تلاش کی جاتی ہے، اور جو حکم اس نظیر کا پہلے سے مقرر ہے وہی حکم اس نئے مسئلہ کے لئے مقرر کر دیا جاتا ہے، اسی عمل کا نام ”قیاس“ ہے، یہ ایک دقیق و نازک فکری عمل ہوتا ہے، جس کی پوری حقیقت طریق کار، اور شرائطِ اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں ہماری بحث صرف اجماع سے متعلق رہے گی۔

اجماع کے لغوی اور اصطلاحی معنی | لغت میں ”اجماع“ کے دو معنی آتے ہیں ① غم کرنا ② اتفاق کرنا

اور اصطلاح شرعی میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو ”اجماع“ کہا جاتا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ :

۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ص ۱۰۱ ج اول، والمحصل ص ۱۹ ج ۴۔

۲۔ تسہیل الوصول ص ۱۶۷، والتوضیح والتلویح ص ۴۱ ج ۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا ”اجماع“ ہے۔
 ”اجماع“ فقہ کا تیسرا مأخذ اور احکام شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہو گیا ہو اسے ”اجماعی فیصلہ“ یا ”مسئلہ اجماعیہ“ یا ”مسئلہ مجمع علیہا“ کہا جاتا ہے، اس کی حیثیت احکام شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا مأخذ ہونے کے اعتبار سے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ہے، کہ سنت کی طرح اس کی بھی بعض قسمیں ظنی اور بعض قطعی ہوتی ہیں جن کی ضروری تفصیل آگے آئے گی۔

اجماع کو خود قرآن و سنت نے حجت قرار دیا ہے

قرآن و سنت نے مسلمانوں پر اجماع کی پیروی ایسی ہی لازم کی ہے جیسی وحی سے ثابت شدہ احکام کی، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شریعت کے احکام بذریعہ وحی آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جانے والا تھا اور یہ شریعت قیامت تک نافذ رہنے والی اور طرح طرح کے نئے مسائل امت کو قیامت تک پیش آنے والے تھے، لہذا آئندہ کے مسائل شرعی اصول پر حل کرنے کا انتظام اللہ جل شانہ نے یہ فرمادیا کہ خود قرآن و سنت میں ایسے اصول اور نظائر رکھ دیئے جن کی روشنی میں غور و فکر کر کے ہر زمانہ کے مجتہدین اس وقت کے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم معلوم کر سکیں، اور جو فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں وہ اپنے مستفقہ اقوال یا افعال سے کر دیں اس کی

لے اس قید کی صراحت امام رازی نے المحصول میں کی ہے ص ۶۱ ج ۴۔ نیز تسہیل الوصول

میں بھی اس کی صراحت ہے۔ ص ۱۶۷۔

پیروی بعد کے مسلمانوں پر خود قرآن و سنت کے ذریعہ لازم اور اس کی خلاف ورزی حرام قرار دے دی گئی۔

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزاز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت کو ملا ہے، کہ اس کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں ہر خطا و لغزش سے معصوم اور محفوظ فرما دیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے کسی فرد سے دینی امور میں غلطی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بات تو ہر وقت مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس امت میں بھی ہر قسم کے لوگ ہیں، نیکو کار متقی بھی ہیں، فاسق و فاجر بھی۔ ہر مسلمان سے بلکہ علماء و صلحا سے بھی فرداً فرداً بہت سے دینی امور میں غلطی ہو جاتی ہے، لہذا امت کا ہر فرد تو خطا و لغزش سے معصوم نہیں، مگر امت کا مجموعہ معصوم ہے یعنی پوری امت بحیثیت مجموعی متفقہ طور کوئی ایسا فیصلہ یا عمل نہیں کر سکتی جو قرآن و سنت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، جس طرح قرآن و سنت کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا اسی طرح اجماعی فیصلہ جو قطعی درجہ کا ہو غلط نہیں ہو سکتا، بعد کے تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہے۔

مَحِیَّتِ اِجْمَاعِ پَر آیاتِ قرآنیہ | چنانچہ قرآن کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں کو ملے گی، وہی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جو مومن کا متفقہ دینی مسئلہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے: ﴿

① وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ ۖ اَوْ رَجُلًا مِّنْهُ فَاُولٰٓئِكَ سَيُعَذِّبُ اللّٰهُ ۚ

لہ الاَحْکَامِ فِی اَصُوْلِ الْاَحْکَامِ، ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۷، ۱ و تفسیر معارف القرآن ص ۲۴ تا ص ۲۷ ج ۲

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ
وَيَسْبِقُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
نُؤْيِيهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ
وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (نساء: ۱۱۵)

کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق راستہ
اس پر ظاہر ہو چکا ہو، اور سب مسلمانوں
کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس
کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کہنے دیں گے

اور (آخرت میں) اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

معلوم ہوا کہ امت کے متفقہ فیصلہ (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔

(۲) قرآن کریم نے اس امت کے مجموعہ کو یہ مردہ سنایا ہے کہ :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً
وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا
عَلَى النَّاسِ وَتَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
عَلَيْكُمْ شٰهِيْدًا ۝

”اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت
بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم
لوگوں پر گواہ بنو اور تمہارا رسول
شہادت اور معتبر ہونے کے لئے رسول

(بقرہ: ۲۴۳) (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ بنیں“

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و اعمال متفقہ طور پر ہوں وہ سب
اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات
پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے، کہ یہ امت نہایت
اعتدال پر ہے۔ نیز اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دے کر
دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا
کہ اس امت کا اجماع حجت ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا
حجت ہونا صرف صحابہؓ یا تابعینؓ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانہ
کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف صحابہؓ و تابعینؓ نہ تھے بلکہ قیامت تک

آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں، تو ہر زمانہ کے مسلمان اللہ کے گواہ ہو گئے، جن کا قول حجت ہے، وہ سب کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے۔

(۳) قرآن حکیم ہی نے اس امت کو ”خَيْرَ الْأُمَمِ“ قرار دے کر اس کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے، ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط
”تم سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے
(تفیع ہدایت پہنچانے کے) لئے ظاہر
کی گئی ہے تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے
کاموں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان
رکھتے ہو۔“ (آل عمران: ۱۱۰)

پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی پوری امت سے بحیثیت مجموعی خطاب ہے، اور اس میں تین طریقوں سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس امت کا اجماع شرعی حجت اور فقہی دلیل ہے۔

اَدَل یہ کہ اس امت کو ظاہر ہے کہ بہترین امت اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس امت کا مجموعہ دین کی صحیح تعلیمات پر قائم رہے گا، اگرچہ اس کے بہت سے انفراد الگ الگ دین پر کمزور بلکہ بہت کمزور ہوں، مگر ہر زمانہ میں اس امت کا مجموعہ میل کر اللہ کے دین کو مکمل طور پر پتھلا رہے گا، پورا مجموعہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، لہذا

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن للبخاری، ص ۱۰۱ تا ۱۰۲ ج ۱ اول مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ

۲۔ تفسیر معارف القرآن، ص ۳۷۲ تا ۳۷۳ ج ۱ اول۔

ان کا اجماع بھی لامحالہ حجت ہوگا، اس لئے کہ اگر ان سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو وہ اتفاق گمراہی پر ہوگا، پھر ایک گمراہ امت بہترین امت کیسے ہو سکتی ہے؟

دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق یہ تصدیق فرمادی ہے کہ ”یہ نیک کاموں کا حکم دیتی ہے“ معلوم ہوا کہ جس کام کا یہ حکم دے گی وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور نیک کام ہوگا، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ امت متفقہ طور پر جس کام کا حکم دے گی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے، لہذا اس کی پابندی سب پر لازم ہوگی۔

تیسرے اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ امت مجھے کاموں سے منع کرتی ہے، معلوم ہوا کہ جس کام سے یہ امت متفقہ طور پر منع کر دے، وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک نا پسندیدہ اور بُرا ہے، اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

الحاصل اس امت کا اجماعی فیصلہ خواہ کسی کام کے کرنے کا ہو یا کسی کام سے باز رہنے کا، ہر صورت میں وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا، ورنہ اگر ان کے فیصلہ کو غلط قرار دیا جائے یعنی جس کام کا اس نے حکم دیا اسے بُرا سمجھا جائے اور جس کام سے منع کیا اسے اچھا سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ امت برائی کا حکم دینے والی اور اچھائی سے منع کرنے والی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات

۱۔ احکام القرآن للبخاری، ص ۴۱ ج ۲، اور تیسرے الوصول، ص ۳۷۴۔

۲۔ یہ سب تفصیل بھی شیخ ابوبکر حقیصا رازیؒ نے ”احکام القرآن“ (ص ۴۱ ج ۲) میں ذکر فرمائی ہے۔

اس آیت کے صریح خلاف ہے۔

(۴) فشرآن کریم کا حکم ہے کہ :-

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳) ”اور اللہ کی رسی (دین) کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور آپس میں بھوٹ نہ ڈالو“

اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ دینی فیصلے (اجماع) کی مخالفت امت میں بھوٹ ہی ڈالنا ہے، جس سے قرآن کریم نے واضح طور پر ممانعت فرمائی ہے۔
فقہاء کا اختلاف،
اس حکم کے منافی نہیں

چاہئے ؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف جن مسائل میں ہوا ہے ان میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کا صریح فیصلہ قطعی طور پر قرآن و سنت یا اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہو۔ فقہاء کا اختلاف صرف ان فردی مسائل میں ہوا ہے جن میں قرآن و سنت کا کوئی صریح اور قطعی فیصلہ موجود نہیں تھا، یا جن کے متعلق خود احادیث میں اختلاف پایا جاتا تھا، اور ان پر امت کا اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا، لہذا فقہاء کا یہ اختلاف اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں بلکہ فروعی مسائل میں اجتہادی نوعیت کا ہے جو صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے، خود عہدِ رسالت میں بھی فروعی مسائل میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا ہے، جس کی بہت سی مثالیں کتبِ صحیث

لے مزید تفصیل کے لئے کتاب ”الاحکام فی اصول الاحکام“ (ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۱ ج اول) ملاحظہ فرمائی جائے۔

لے کتاب ”الاحکام فی اصول الاحکام“ ص ۱۱۱ ج اول، و تفسیر قرطبی ص ۶۴ ج ۴۔

میں موجود ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کبھی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ ایسے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے، اور جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہوگا ہو وہ مسئلہ ظنی یا اجتہادی نہیں رہتا بلکہ قطعی ہو جاتا ہے، اس سے اختلاف کرنا فقہاء مجتہدین کو بھی جائز نہیں، کیونکہ اس کی مخالفت درحقیقت امت میں پھوٹ ڈالتا ہے، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ
”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور
سچے لوگوں کے ساتھ رہو“

(توبہ: ۱۱۹)

اس آیت میں ہر زمانہ کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ سچے لوگوں ”الصادقین“ کے ساتھ رہیں، جس کا مقصد ظاہر ہے کہ یہ ہے کہ اعمال میں ان کی پیروی کی جائے رہا یہ سوال کہ ”صادقین“ سے کیسے لوگ مراد ہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم ہی نے سورہ بقرہ کی آیت (نمبر ۱۷۷) لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ _____ تَا _____ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ میں دیا ہے، وہاں صادقین کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صادقین وہ حضرات ہیں جو اعتقاد کے بھی سچے ہوں، قول و عمل کے بھی اور ظاہر و باطن کے بھی۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں باقی رہے گا، ورنہ ان کے ساتھ رہنے کا حکم ہر زمانہ کے تمام مسلمانوں کو نہ دیا جاتا، کیونکہ اسلام نے کسی کو ایسا حکم نہیں دیا، جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو، تو اس آیت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ صادقین

ہر زمانہ میں موجود رہیں گے تو یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ کسی زمانہ کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ بھی اگر کوئی غلط کام یا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو اس زمانہ کے صادقین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے معلوم ہوا کہ امت کا اجماعی فیصلہ کبھی گمراہی اور بے دینی کی بات پر یا حق کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حجیت اجماع پر احادیث متواترہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت و تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلہ کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ حدیث متواترہ کو پہنچا ہوا ہے۔

تواتر کیا ہے؟ اور ”حدیث متواترہ“ کیا ہے؟ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔

تواتر کی حقیقت

تواتر کی حقیقت یہ ہے کہ

”کسی محسوس واقعہ (مثلاً کسی کے فعل یا قول وغیرہ) کو خود دیکھنے یا سننے والوں کی ایسی بڑی تعداد اس واقعہ کی خبر دے کہ ان سب کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے۔ یعنی عقل یہ باور نہ کرے کہ ان سب نے سازش کر کے جھوٹ بول دیا ہوگا، یا سب کے

مغالطہ لگ گیا ہوگا ۱۶

جو خبر اس طرح تواتر سے ثابت ہو، اُسے ”متواتر“ کہا جاتا ہے۔ پھر وہ واقعہ اگر اتنا پرانا ہے کہ اُس واقعہ کے بعد ہمارے زمانے تک مثلاً کئی نسلیں گزر چکی ہیں، تو ہمارے حق میں اُس خبر کے ”متواتر“ ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جب سے وہ واقعہ رونما ہوا، اُس وقت سے اب تک بھی ہر زمانے میں لوگوں کی ایسی بڑی تعداد اُس کو پے درپے نقل کرتی چلی آئی ہو کہ اُن سب کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے ۱۷

تواتر کے لئے خبر دینے والوں کا مسلمان، یا متقی پرہیزگار ہونا ضروری نہیں وہ مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بدکار، ہر صورت میں اگر اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر یا غلطی پر متفق ہونا محال سمجھا جائے تو ان کی دی ہوئی خبر کو ”خبر متواتر“ کہا جائے گا۔ اور اُس خبر سے اُس واقعہ کا علم یقینی حاصل ہو جائے گا، البتہ خبر دینے والے اگر متقی پرہیزگار ہوں گے تو ان کی نسبت تھوڑی تعداد سے علم یقینی حاصل ہو جائے گا، اور فاسق ہوں گے تو بہت بڑی تعداد سے علم یقینی حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خبر دینے والوں کی کوئی خاص تعداد ”تواتر“ کے لئے مقرر نہیں، بس جتنے لوگوں کی خبر سے کسی واقعہ کا یقین اور علم قطعی حاصل ہو جائے اتنے ہی لوگوں کی خبر کو ”متواتر“ کہا جائے گا ۱۸

۱۶ دیکھئے فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اول۔ والتوضیح والتلویح ص ۲ و ۳ ج ۲۔ والاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۵ ج اول۔ وتسہیل الوصول ص ۱۲۰۔
۱۷ حوالہ بالا۔

۱۸ قمر الاقمار، حاشیہ نور الانوار ص ۱۷۶ نیز دیکھئے فتح الملہم ص ۵ ج اول، والاحکام ص ۱۵ ج اول والتلویح ص ۲ ج ۲۔ وتسہیل الوصول ص ۱۲۰۔

جب بہت سے لوگوں کی خبر سے ہیں اُس واقعہ کا پختہ یقین ہو جائے تو سمجھیں گے کہ اُن کی تعداد ”متواتر“ کو پہنچی ہوئی ہے، یہ نہیں کہ کسی خاص تعداد کی بنا پر اُس خبر کے ”متواتر“ ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

خبر متواتر کا فائدہ

”خبر متواتر“ دنیا کے تمام قابل ذکر اہل عقل کے نزدیک قطعی، سچی اور یقینی خبر مانی جاتی ہے، ایسی خبر سے جو واقعہ ثابت ہو، اُس کے ثبوت کو بالاتفاق ہر شک شبہ سے بالاتر تسلیم کیا جاتا ہے، اور اس سے ایسا ہی یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے، جیسا اُس واقعہ کو خود دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

مثلاً ہم نے نیویارک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، مگر امریکہ کے اس شہر کا ذکر اور اس کے متفرق حالات اتنے لوگوں سے سُنے ہیں کہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ نیویارک کوئی شہر ہی نہ ہو، اور جتنے لوگوں اور اخبارات و رسائل، اور ریڈیو وغیرہ نے ہمیں اُس کے حالات بتائے اُن سب نے سازش کر کے متفقہ طور پر

لے فتح الملہم ص ۵ ج اول - والإحكام ص ۱۵۷ تا ۱۵۸ ج اول - والتلویح ص ۲ ج ۲

وتسہیل الوصول ص ۱۲۰ -

۱۵ یہ ایک مسلمہ قاعدہ کلیہ ہے جس میں کسی دین و مذہب، یا کسی قوم کا اختلاف نہیں ملتا، سوائے برہمنوں اور ”سمنیہ“ کے کہ اُن کا یہ عجیب و غریب قول اصول فقہ کی بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ ”علم یقینی صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، کسی بھی قسم کی خبر سے علم یقینی حاصل نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ خبر ”متواتر“ ہی ہو“ مگر یہ قول بدایت کے خلاف ہونے کے باعث قابل انتقادات نہیں، جیسا کہ آگے مثال سے واضح ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو التلویح

ص ۳ ج ۲ - والإحكام ص ۱۵۱ تا ۱۵۳ ج اول -

جھوٹ بولا ہو، یا سب ہی بتانے والوں کو یہ مغالطہ لگ گیا ہو کہ وہ پاکستان کے کسی گاؤں کو امریکہ کا عظیم شہر نیویارک سمجھ بیٹھے ہوں۔ ”یہ خبر متواتر“ ہی ہے جس کی بنا پر ہم نیویارک کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر، امریکہ کا بڑا شہر یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ حتیٰ کہ اس یقین کو ہم اپنے ذہن و حافظہ سے مٹانے پر بھی قادر نہیں۔
 ”خبر متواتر“ کی یہی وہ قوت ہے، جسے اسلام نے بھی تسلیم کیا، اور ”خبر متواتر“ کے ثبوت کو جھوٹ اور بھول چوک کے ہر شبہ سے بالاتر اور ایسا ہی یقینی قرار دیا ہے جیسا خود دیکھنا اور سُننا یقینی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے کئی آیات میں تواتر سے حامل ہونے والے علم کو ”رؤیت“ (دیکھنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ

- ① أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ (الفیل: ۱)
 ”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا؟“
 ② أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ (الفجر: ۶)
 ”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے (قوم) عاد کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“

اہل مکہ کے بارے میں ارشاد ہے :

- ③ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ ۚ (الانعام: ۶)
 ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم اُن سے پہلے کتنی جماعتوں کو (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں؟“

ظاہر ہے یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مشاہدہ نہیں فرمائے تھے کیونکہ یہ سب واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے

یہ خبر متواتر سے جو علم یقینی قطعی حاصل ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے ”علم ضروری“ کہا جاتا ہے

پہلے کے ہیں۔ اصحاب الفیل کا واقعہ آپ کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن روز قبل ہوا تھا، اور آپ کے زمانہ میں اتنا مشہور تھا کہ مکہ مکرمہ میں بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اور قوم عاد اور دیگر قوموں پر عذاب کے واقعات اس سے بھی بہت پہلے کے ہیں، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اہل مکہ کے حق میں ان واقعات کے مشاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان واقعات کا علم ان کو ”تواتر“ سے حاصل ہوا تھا، اسی علم کو قرآن حکیم نے ”رؤیت“ (دیکھنے) سے تعبیر فرما کر اشارہ کر دیا کہ جو علم تواتر سے حاصل ہو وہ بھی مشاہدے کی طرح یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔

احادیث متواترہ

”تواتر“ اور ”خبر متواتر“ کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد اب یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوارشاد یا عمل ہم تک ”تواتر“ سے نقل ہوتا ہوا پہنچا ہے، اُسے بھی ”خبر متواتر“ کہا جاتا ہے، نیز اسے ”حدیث متواتر“ اور ”سنت متواترہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ ”حدیث متواترہ“ کی جمع ”احادیث متواترہ“ ہے۔

جس طرح دوسری وہ تمام خبریں جو تواتر سے ثابت ہوں، تمام اہل عقل کے نزدیک یقینی اور قطعی ہوتی ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ”احادیث متواترہ“ بھی یقینی اور قطعی ہیں، یعنی ان کے متعلق یہ علم یقین قطعی طور پر

حاصل ہے کہ وہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، انہیں نقل کرنے میں راویوں سے نہ بھول چوک ہوئی ہے، نہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

خبر متواتر کی دو قسمیں

خبر متواتر کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ ① متواتر لفظی ② متواتر معنوی
دونوں قسموں سے علم یقینی قطعی حاصل ہوتا ہے۔

① متواتر لفظی وہ خبر متواتر ہے جس کے الفاظ تمام راویوں نے یکساں ذکر کئے ہوں، مثلاً قرآن کریم کہ اُس کا ایک ایک حرف، بلکہ زبر زیر پیش بھی تواتر لفظی سے ثابت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بھی متواتر لفظی ہے کہ

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ۖ جُنَّ مِنْ مِرْءٍ مُتَعَلِّقٍ قَصْدًا كَذِبٍ بَيَانِي ۖ
فَلْيَسْتَبَيِّذْ أَمَقْعَدًا مِّنَ النَّارِ۔ اُس کا ٹھکانہ آگ ہے۔

اس حدیث نبوی کو شمس سے زیادہ صحابہ کرام اسی متن سے ساتھ روایت کیا ہے، اور اُن سے اب تک پے در پے روایت کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے، جن کو اب شمار میں لانا بھی آسان نہیں۔

② متواتر معنوی یہ ہے کہ راویوں کی ایسی بڑی تعداد نے جو حد متواتر کو پہنچی ہوئی ہو کہسی خبر یا واقعہ کو مختلف الفاظ اور مختلف تفصیلات کے ساتھ

۱۔ فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اول۔

۲۔ فتح الملہم ص ۵ ج اول۔

۳۔ حوالہ بالا۔

بیان کیا ہو، لیکن یہ سب راوی اُس واقعہ یا خبر کے کسی ایک جز کو بیان کرنے میں متفق ہوں، یعنی ان کی خبریں اگرچہ الفاظ اور تفصیلات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں، لیکن کوئی ایک مضمون قدر مشترک کے طور پر ان تمام خبروں کے ضمن میں متفقہ طور پر پایا جاتا ہو، تو اس مشترک مضمون کو، جو ان تمام لوگوں کی مختلف خبروں میں متفقہ طور پر پایا جا رہا ہے کہا جائے گا کہ یہ ”متواتر معنوی“ ہے، یعنی اس واقعہ کی تمام تفصیلات اگرچہ متواتر نہیں، لیکن یہ مشترک مضمون ”متواتر“ ہے۔

مثلاً حاتم طائی کے زمانے سے آج تک اُس کی سخاوت اور داد و دہش کی مختلف تفصیلات اتنے لوگوں کی زبان پر ہیں کہ ان کی کثرت حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے بہت سارے اونٹ لوگوں میں مفت تقسیم کئے، کچھ لوگوں نے بتایا کہ بہت سے گھوڑے تقسیم کئے، کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ بکریوں کے اتنے بڑے فقرار کو دیئے، کچھ لوگوں نے کچھ اور تعداد بیان کی، کچھ لوگوں نے کہا کہ کپڑوں کے اتنے جوڑے دیئے، کچھ لوگوں نے دینار اور کچھ لوگوں نے درہم دینے کے بہت سے مختلف واقعات بیان کئے، اور کچھ لوگوں نے اس کے کھانا کھلانے کے بہت سارے واقعات سنائے وغیرہ۔ یہ بے شمار خبریں، اپنے الفاظ اور تفصیلات میں اگرچہ باہم مختلف ہیں، لیکن ایک مشترک مضمون ان سب خبروں کے ضمن میں متفقہ طور پر پایا جا رہا ہے اور وہ ہے ”حاتم طائی کی سخاوت اور داد و دہش“۔ پس یہ بات کہ حاتم طائی سخی تھا، اور داد و دہش بہت کرتا تھا، متواتر معنوی ہے۔ یعنی اس کی سخاوت اور داد و دہش کی جو جو تفصیلات ہم نے سنی ہیں وہ تفصیلات اگرچہ ”متواتر“ نہیں، کیونکہ ہر تفصیل کو روایت کرنے والوں کی تعداد حدِ تواتر سے کم ہے چنانچہ ان میں غلطی اور جھوٹ کا احتمال ہے، لیکن ”حاتم کی سخاوت اور داد و دہش“ جو ان تمام راویوں کی بیان کردہ تفصیلات کے ضمن میں متفقہ طور پر پائی جا رہی ہے وہ ”متواتر“ ہے،

اور یقینی ہے، کیونکہ ان سب راویوں کی مجموعی تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ متواتر معنوی کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، اپنے حلقے کی معلومات کا اگر آپ جائزہ لیں تو جن خبروں کے سچے ہونے کا آپ کو یقین کامل اور قطعی حاصل ہے ان میں سیکڑوں معلومات اسی ”متواتر معنوی“ کی رہیں منت نظر آئیں گی، مثلاً تاریخ کی بڑی بڑی مشہور جنگوں، دنیا کی بڑی بڑی مشہور قوموں، بہت سے عظیم الشان شہروں اور اہم شخصیات کو دیکھے بغیر ان کے وجود کا علم یقینی ہم کو ”متواتر معنوی“ کی بدولت ہوا ہے۔ سلطان ٹیپو کو ہم نے نہیں دیکھا، مگر تواتر معنوی سے ہم کو اتنی بات یقینی اور قطعی طور پر معلوم ہے کہ اُس نے میسور میں انگریزوں کی یلغار روکنے کے لئے عظیم مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے تھے۔ یہ یقین اتنا مستحکم ہے کہ دانستہ جھوٹ بولے بغیر ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، ان میں بھی بیشتر احادیث ”متواتر معنوی“ ہیں لہ ”متواتر لفظی“ کی مثالیں احادیثِ نبویہ میں شاذ و نادر ہیں۔ مگر ”متواتر لفظی“ کی طرح ”متواتر معنوی“ بھی یقینی اور قطعی ہوتی ہے، یعنی جو خبر ”تواتر معنوی“ سے ثابت ہو اُس سے بھی اُس واقعہ کا ایسا ہی یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے جیسا خود دیکھنے سے حاصل ہوتا۔

آمدِمِ برسرِ مطلب

تواتر، اور خبر متواتر کا بیان ہمیں کسی قدر تفصیل سے یہاں اس لئے کرنا پڑا کہ

۱۔ مثلاً چڑھے کے موزوں (حُفَّین) پر سح کی احادیث - قرآن امار، ص ۱۷۶

۲۔ فتح الملہم ص ۵ تا ص ۶ ج اول

اجماع کے حجت ہونے پر ائمہ مجتہدین، علماء اصول فقہ، اور محدثین کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ ”متواتر معنوی“ ہیں۔ اسی ”متواتر معنوی“ کی وضاحت کے لئے ہمیں تواتر کی یہ پوری بحث درمیان میں لانی پڑی۔ تاکہ یہ سمجھنا آسان ہو کہ یہ احادیث ”متواتر معنوی“ کیوں ہیں؟

مُحِیَّتِ اِجْمَاعِ کِی حَادِیْثِ مُتَوَاتِرِ مُعْنَوِیْ ہِیْن

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جن احادیث سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ان میں سے جو احادیث احقر کو چند روزہ تلاش سے دستیاب ہو گئیں انہی کو روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد مجموعی طور پر چوالیسؓ ہے، مزید اہتمام سے جستجو کی جائے تو نہ جانے کتنی حدیثیں جو کتنے ہی مزید صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہوں گی، اور مل جائیں، بہر حال وہ صحابہ کرام جن کی روایتیں اس ناچیز کو چند روز کی تلاش سے ملی ہیں یہ ہیں:-

- (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) حضرت معاذ بن جبل (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت ہذیفہ بن الیمان، (۱۰) حضرت ابوذر غفاری (۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۲) حضرت معاویہ (۱۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۱۴) حضرت ابوالدرداء (۱۵) حضرت جابر بن سمرہ، (۱۶) حضرت عبداللہ بن عمر (۱۷) حضرت ابوہریرہ (۱۸) حضرت انس (۱۹) حضرت ابن عباس (۲۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۲۱) حضرت ابوسعید خدری

(۲۲) حضرت جیسر بن مطعم (۲۳) حضرت زید بن ثابت (۲۴) حضرت عائشہ ،
 (۲۵) حضرت ابو مسعود انصاری (۲۶) حضرت ثوبان (۲۷) حضرت ابو مالک اشجری
 (۲۸) حضرت عقبہ بن عامر (۲۹) حضرت نعمان بن بشیر (۳۰) حضرت عوف بن مالک
 (۳۱) حضرت عمرو بن عوف (۳۲) حضرت عامر بن ربیعہ (۳۳) حضرت اسامہ بن شریک
 (۳۴) حضرت عرفہ (۳۵) حضرت ابو امامہ (۳۶) حضرت حارث اشجری (۳۷) حضرت
 قتادہ بن عبد اللہ بن عمار الکلابی (۳۸) حضرت فضالہ بن عکبیدہ (۳۹) حضرت ابو بصیرہ
 (۴۰) حضرت مرۃ البہزی (۴۱) حضرت قرۃ (۴۲) حضرت ابو قریصافہ (۴۳) حضرت
 عمران بن حصین (۴۴) حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہم جمعین ۔

ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ نے توحجیت اجماع کے متعلق کئی کئی حدیثیں روایت
 کی ہیں ۔ پھر صحابہ کرامؓ کے بعد ان احادیث کے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی
 ہی چلی گئی ہے ، ان میں سے ہر حدیث اگرچہ الگ الگ خبر واحد (غیر متواتر) ہے
 اور ان کے الفاظ اور بعض مضامین بھی یکساں نہیں ہیں مگر اتنی بات ۔ جیسا کہ
 آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے ۔ ان سب احادیث میں مشترک اور متواتر بات
 جاتی ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ یا عمل ہر خطار و لغزش سے پاک ہے ،
 لہذا اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حجیت اجماع کی احادیث کا مجموعہ
 متواتر ہے ، یہ اور بات ہے کہ یہ تواتر لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے ، مگر معنوی ہونے
 سے فرق اس لئے نہیں پڑتا کہ تواتر ، خواہ لفظی ہو یا معنوی ، دونوں ہی قطعی اور
 یقینی ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ اوپر تواتر کی بحث میں اس کی تفہیل آچکی ہے ۔ اس طرح

اجماع کا حجت ہونا "تواتر معنوی" سے روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔
 یعنی یہ بات یقینی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ
 فیصلے اور عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطا و لغزش سے پاک قرار دیا ہے۔
 یہاں ان سب احادیث کے الفاظ الگ الگ نقل کرنے کا تو موقع نہیں اس
 لئے ہر مضمون کی صرف ایک ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے اُسی مضمون کی
 دوسری حدیثیں قدرے مختلف الفاظ میں روایت کرنے والے صحابہ کرام کے
 صرف اسماء گرامی مع حوالہ ذکر کئے جائیں گے۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے پوچھا کہ اگر میں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کے متعلق کوئی صریح حکم یا
 ممانعت (قرآن و سنت میں) موجود نہ ہو تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟
 تو آپ نے فرمایا :-

شاوروا فيه الفقهاء والعلماء
 ولا تمضوا فيه رأي خاصة
 (الطبرانی فی الاوسط و رجاله
 کذا فی مجمع الزوائد)

مؤثقون من اهل الصحيح
 کذا فی مجمع الزوائد

معلوم ہوا کہ کسی زمانہ کے فقہاء و عابدین متفقہ طور پر جس چیز کا حکم دیں
 یا ممانعت کریں، اس کی مخالفت جائز نہیں، کیونکہ ان کا متفقہ فیصلہ غلط
 نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :-

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي
يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ
”میری امت میں ایک جماعت (قرب)
قیامت تک حق کے لئے سر بلندی کے ساتھ
الی یوم القیامۃ۔“
برسرِ پیکار رہے گی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید
بارہ صحابہ کرامؓ نے بھی تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ (جس سے معنی نہیں
بدلتے) روایت کیا ہے، ان حضرات کی روایتیں صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ
مستند کتب حدیث میں مذکور ہیں، وہ بارہ صحابہ کرامؓ یہ ہیں :-

① حضرت مغیرہ بن شعبہ ② حضرت ثوبان ③ حضرت عقیب بن عامر

۱۔ مسلم شریف کتاب الایمان ”باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام“ ص ۸۷ ج اول، و کتاب

الامارۃ ”باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي“ ص ۱۴۳ ج ۲۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي“

ص ۸۷ ج ۲، و صحیح مسلم کتاب الامارۃ ”باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي“ ص ۱۴۳ ج ۲

۳۔ سنن ابی داؤد کتاب الفتن، ص ۵۸۳ و ۵۸۴ ج ۲، و سنن ابن ماجہ ابواب الفتن ”باب ما یكون

من الفتن“ ص ۲۸۳، و صحیح مسلم کتاب الامارۃ ”باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي“ ص ۱۴۳ ج ۲

۴۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ، ”باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم“ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي“

ص ۱۴۴ ج ۲۔



- ④ حضرت عمر فاروق ⑤ حضرت جابر بن سمرہ ⑥ حضرت ابو ہریرہ
 ⑦ حضرت زید بن ارقم ⑧ حضرت ابو امامہ ⑨ حضرت مرقۃ البہزنی
 ⑩ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ⑪ حضرت عمران بن کھنیفہ ⑫ حضرت قرۃ
 رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر ہے اس سے مراد اہل علم ہیں ، بہر حال اس حدیث میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہر زمانہ میں حق پر قائم رہے گی ، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس امت کا مجموعہ کبھی کسی گمراہی یا غلط کاری پر متفق نہیں ہو سکتا ۔

⑬ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خطبہ دیتے ہوئے مجمع عام میں سنایا کہ :-

اے حضرت عمرؓ حضرت مرقۃ البہزنی رضی اللہ عنہا تک چھ حضرات صحابہ کی روایتیں علامہ سیوطیؒ نے مجمع الزوائد میں اسانید و متون اور اصل مآخذ کے حوالوں کے ساتھ نقل فرما کر سب کی توثیق فرمائی ہے ، البتہ صرف حضرت مرقۃ البہزنی رضی اللہ عنہ کی روایت جو طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کی مسند کے متعلق یہ کہا ہے کہ ”وَفِيهِ جَمَاعَةٌ لَّمْ أَعْرِفْهُمْ“ ۔ دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۸ تا ۲۸۹ ج ۷۔

۱۴ صحیح مسلم کتاب الامارۃ ، باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفتہ الیوم ص ۱۴۴ ج ۲ ۔

۱۵ سنن البوارذی کتاب الجہاد ، باب دوام الجہاد ، ص ۳۲۶ ج ۱ ۔

۱۶ جامع ترمذی ص ۵۲ ج ۲ ، ابواب الفتن باب ما جاد فی اہل الشام ۔

۱۷ صحیح بخاری کتاب العلم باب ”من یرد اللہ بہ ید خیراً“ الخ ص ۱۶ ج ۱ اول ، و کتاب

الاعتصام ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفتہ من امتی الیوم ص ۱۰۸ ج ۲ ، و

صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفتہ من امتی الیوم ص ۱۴۴ ج ۲

لَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ ”اس اُمت کی حالت قیامت تک سیدھی
مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ“ اور درست رہے گی“

معلوم ہوا کہ پوری اُمت کا مجموعہ کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہو سکتا۔
(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اجماع کے تحت ہونے پر سب

زیادہ صریح ہے، کہ :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ ”اللہ میری اُمت کو کسی گمراہی پر متفق
”أُمَّةَ مُحَمَّدٍ“ عَلَى ضَلَالَةٍ نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت
وَيَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ (مسلمین) پر ہے، اور جو الگ راستہ
شَدَّ شَدًّا إِلَى الشَّارِ - اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آٹھ صحابہ کرام نے تھوڑے تھوڑے لفظی
فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، کسی نے تفصیل سے کام لیا ہے کسی نے اختصار سے،
مگر اتنا مضمون ان سب صحابہ کرام نے نقل فرمایا ہے کہ ”اُمت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ
گمراہی پر متفق نہیں کرے گا“

ادریہ حدیث کے جو الفاظ لکھے گئے یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے
روایت کردہ ہیں، باقی سات صحابہ کرام جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے

۱۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة ص ۲۹ ج ۲ و مستدرک حاکم کتاب العلم
ص ۱۱۵ تا ص ۱۱۶ ج اول، ترمذی نے اس حدیث کو ”حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ“
کہا ہے، مگر ”یہ غریب“ کہنا سند کے ایک خاص طریق کی بنا پر ہے، ورنہ حاکم نے اس
حدیث کی سند سات مختلف طرق سے بیان کی ہے، اُن سب طرق کا مدار ”معتمرین سلیمان“
پر ہے، جو ائمہ حدیث میں سے ہیں، اور اُن میں کئی طریق سند کے لحاظ سے صحیح ہیں، (باقی صفحہ ۳۰)

یہ ہیں :-

① حضرت ابن عباسؓ ② حضرت انسؓ ③ حضرت ابومالک اشجریؓ ④ حضرت ابوبصرہؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چنانچہ طریقِ اول میں معمر کے شاگرد خالد کے متعلق حاکم فرماتے ہیں کہ
 ”خالد بن یزید القرافی شیعہ قدیم للبعث اذیین ولو حفظ هذا الحديث
 لحکمنا بالصحة“ پانچواں طریق جس میں معمر کے شیخ ”سلم بن ابی الذیال“ ہیں اس کے
 متعلق فرماتے ہیں کہ ”وهذا لو كان محفوظاً من الراوی لكان من شرط الصحيح“
 کیونکہ بقول حافظ ابن حجر، سلم بن ابی الذیال ثقہ ہیں اور ان سے ایک حدیث صحیح مسلم میں مروی
 ہے، (تقریب التہذیب ص ۳۱۳ ج اول)

حاکم نے ساتوں طریق بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ”ان المعمر بن سلیمان أحد
 ائمة الحديث وقد روی عنه هذا الحديث باسناد یصح بمثلها
 الحديث فلا بد أن يكون له أصل بأحد هذه الاسناد (حافظ کی اس پوری
 تحقیق پر حافظ ذہبی نے سکوت فرمایا ہے، جو ان کی توثیق کی علامت ہے)
 نیز یہ حدیث مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی نقل کی گئی ہے، دیکھئے مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج ۵

حاشیہ صفحہ ۲۱

۱۔ جامع ترمذی حوالہ بالا، مستدرک حاکم حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج اول۔

۲۔ سنن ابن ماجہ ابواب الفتن، باب السوا والاعظم، ص ۲۸۳، مستدرک کتاب العلم،
 ص ۱۱۶ و ۱۱۷ ج اول، و کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب، ص ۱۶۱ جزو پنجم۔

۳۔ سنن ابی داؤد کتاب الفتن ص ۵۸۴ ج ۲، و جمع الفوائد ص ۵۸۴ ج ۲، ابوداؤد نے
 ابومالک اشجری کی اس روایت پر سکوت کیا ہے، جو ان کی توثیق کی علامت ہے۔

۴۔ مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد، باب فی الاجماع، ص ۷۷ ج اول (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

⑤ حضرت قدامہ بن عبد اللہ بن عمار الکلابی ⑥ حضرت ابو ہریرہ ⑦ حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

ان آٹھ صحابہ کرام کے علاوہ اسی حدیث کو مشہور تابعی حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والتقریر والتجیر بحوالہ احمد والطبرانی، ص ۸۵ ج ۳ - ابن امیر الحاج "التقریر" میں نقل فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی اس روایت کے تمام راوی "رجال صحیح" ہیں، سوائے ایک تابعی کے جو مبہم ہے، لیکن اس روایت کا ایک شاہد حدیث متصل ہے جس کے سبب رجال صحیح کے رجال ہیں، اُسے طبری نے سورۃ النعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے ۔

حاشیہ صفحہ ۳۱

۱۰ مستدرک حاکم ص ۵۰۷ ج ۲، حاکم حضرت قدامہ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "هذا الحديث لم نكتب به هذا الاسناد الا حديثاً واحداً" حافظ ذہبی نے یہاں بھی سکوت فرمایا ہے ۔

۱۱ کتاب الفقیہ والمتقہ للخطیب البغدادی، ص ۱۶۲ جزو خامس، خطیب نے ابو ہریرہ کی یہ روایت اپنی سند سے بیان کی ہے اور مستدرک کوئی کلام نہیں کیا ۔

۱۲ مجمع الزوائد ص ۲۱۸ و ۲۱۹ ج ۵، ومستدرک حاکم، ص ۵۰۷ ج ۲، وفتح الباری ص ۱۳ ج ۱۳، حافظ ابن حجرؒ اور حاکمؒ نے ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت موقوفاً بیان کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے سکوت فرمایا ہے جو ان کی توثیق کی علامت ہے، اور حاکم نے اسے "صحیح" علی شرط مسلم قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ "یہ حدیث ہم نے مستنداً (غالباً مرفوعاً مراد ہے۔ رفیع) بھی اپنے پاس لکھی ہے، مگر اس کی سند شرط مسلم کے معیار پر نہیں (اس لئے مستدرک میں اسے ذکر نہیں کیا) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کی اس پوری تحقیق پر سکوت فرمایا ہے ۔

نے کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔
 حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین کے سامنے خطبہ
 دیا، اور فرمایا کہ آج میں تمہارے سامنے اسی طرح خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوں
 جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے، اور
 آپ نے ہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

”میں تم کو اپنے صحابہ کی پیروی کی وصیت	أَوْصِيَكُمْ بِأَصْحَابِائِ الَّذِينَ
کرتا ہوں، پھر ان لوگوں (کی پیروی) کی	يَكُونُ لَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَكُونُ لَهُمْ
جو ان کے بعد ہوں گے (یعنی تابعین) پھر	ثُمَّ يَفْشُوا الْكِذْبَ حَتَّى يَخْلَفَ
ان لوگوں (کی پیروی) کی جو ان (تابعین)	الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيُشْهَدُ

۱۔ دیکھئے ”التقریر والتجیر“ ص ۸۵ ج ۳، وتفسیر ابن جریر طبری سورة العنکبوت ۱۳۷
 علامہ ابن امیر الحاج نے حضرت حسن بصریؒ کی اس مرسل روایت کے بارے میں کہا ہے کہ
 اس کے تمام راوی ”صحیح“ کے رجال ہیں۔

(فائدہ) الموصول، ص ۱۱۱ ج ۴ میں امام رازیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ
 فرماتے تھے کہ جب مجھے کوئی حدیث چار صحابہ کرام نے سنائی ہو تو میں ان (کے نام) کو چھوڑ
 کر یوں کہتا ہوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے“ امام رازی فرماتے ہیں
 کہ یہ حدیث بھی انہی میں سے ہے، کیونکہ اس میں حسن بصریؒ نے صحابہ کا نام ذکر نہیں فرمایا
 (معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی انہوں نے کم از کم چار صحابہ کرام سے سنی ہے)۔

۲۔ جامع ترمذی، ص ۴۸ و ۴۹ ج ۲، ومستدرک حاکم ص ۱۱۴ ج ۱۔
 امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح غریب من ہذا الوجہ“
 کہا ہے، اور حاکم اور حافظ ذہبیؒ دونوں نے اسے ”صحیح علی شرط الشیخین“ قرار دیا ہے۔

وَلَا يُسْتَهْدُ فَمَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ
بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَيُلْزِمِ
الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ
الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ
أَبْعَدُ، (رواه الترمذی فی
الجامع والحاکم فی المستدرک
واللفظ لہ قال الحاکم "ہذا
حدیث صحیح علی شرط الشیخین
ولم یخرجہا واقترنہ الذہبی)

کے بعد ہوں گے، (یعنی تبع تابعین) پھر
جھوٹ پھیل جائے گا، حتیٰ کہ آدمی قسم
کھائے گا، حالانکہ اس سے کسی نے قسم کھانے کا
مطالبہ نہ کیا ہوگا، اور گواہی دے گا حالانکہ
اس سے کسی نے گواہی طلب نہ کی ہوگی پس
تم میں سے جو شخص جنت کے بچوں بچ رہنا
چاہتا ہو وہ "الجماعۃ" (مخصوص جماعت)
کو لازم پکڑ لے (یعنی اپنے اعتقاد اور افعال
میں اس جماعت کا اتباع کرے) کیونکہ شیطان

ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرے زیادہ دور رہتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبع تابعین کے بعد دنیا میں
جھوٹ پھیل جانے کی خیر دی ہے، مگر ساتھ ہی "الجماعۃ" (مخصوص جماعت) کے
ساتھ رہنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم بھی دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دینی
اعتبار سے بگڑے ہوئے زمانہ میں بھی امت میں ایک خاص "جماعت" ایسی موجود
رہے گی جو حق پر ہوگی، اور اس کا اتباع واجب ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے
جو سچے کئی آیات و احادیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ امت کا پورا مجموعہ کبھی گمراہی
پر متفق نہیں ہوگا، رہی یہ بات کہ "الجماعۃ" سے مسلمانوں کی کیسی جماعت مراد
ہے؟ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

"الجماعۃ" کے ساتھ رہنے اور اس کے اتباع کے متعلق آنحضرت صلی اللہ

لہ الجماعۃ عربی زبان میں مخصوص ہی جماعت کو کہتے ہیں، جس کی تشریح آگے آئے گی۔

علیہ وسلم کا جو حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نقل فرمایا ہے اسے چار
اور صحابہ کرام ① حضرت سعد بن ابی وقاص ② حضرت عبد اللہ بن عمر
③ حضرت خذیفہ اور ④ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔
⑤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثنیٰ میں مسجد خیف میں خطبہ حجۃ الوداع
میں ارشاد فرمایا کہ :-

ثَلَاثٌ لَا يَغْلِبُنَّ قَلْبَ مُسْلِمٍ
اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ، وَالنَّصِيحَةُ
لِلْمُسْلِمِينَ، وَلِزَوْجِهِمْ جَمَاعَتُهُمْ فَإِنْ
دَعَوْهُمْ تَحِيْطُ مَنْ دَرَأَتْهُمْ -
”تین خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں
کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا، عمل میں
اللہ کے لئے اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی،
اور جماعتِ مسلمین کا اتباع، کیونکہ ان کی کُفُوراً
یہ سچے سے اُن کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔“

معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے اعتقاد اور عمل میں جماعتِ مسلمین کا اتباع کرے گا
خیانت اور گمراہی سے محفوظ رہے گا۔ اس حدیث کا حاصل بھی وہی ہے کہ جماعتِ
مسلمین کا متفقہ عقیدہ یا عمل کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مستدرک حاکم ص ۱۱۴ د ۱۱۵ ج ۱ اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو بھی سنداً
”صحیح“ قرار دیا ہے۔

۲۔ مستدرک حاکم، ص ۱۱۴ ج ۱ اول۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم يكن جماعة ص ۱۰۴۹ ج ۲، و صحیح مسلم کتاب الامارۃ
”باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن“ ص ۱۲۷ ج ۲۔

۴۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۱ ج ۱، کتاب العلم باب الاعتصام بالكتاب والسنة بحوالہ مسند احمد
و صحیح الزوائد ص ۲۱۹ ج ۵۔

- اس حدیث کو دس صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:-
 ① حضرت ابن مسعود ② حضرت انسؓ ③ حضرت جابر بن مطعم
 ④ حضرت زید بن ثابت ⑤ حضرت نعمان بن بشیر ⑥ حضرت ابوسعید خدری
 ⑦ حضرت ابوالدرداء ⑧ حضرت معاذ بن جبل ⑨ حضرت جابر

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص ۳۵ ج ۱ اول (بحوالہ امام شافعی و بیہقی)
 نیز دیکھئے ”الرسالہ“ للامام الشافعیؒ، الجزء الثالث، ص ۲۰۱ تا ۲۰۳، امام شافعیؒ نے
 بھی اس حدیث سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

۲۔ مسند احمد، ص ۲۲۵ ج ۳، و مجمع الزوائد، ص ۱۳۹ ج ۱، و کتاب الفقیہ والمتفقہ
 للخطیب البغدادیؒ ص ۱۶۶ ج ۵۔

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر، ص ۲۱۹۔ ابن ماجہ کی روایت
 سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد خطبہ حجۃ الوداع میں منیٰ کی مسجد حنیف
 میں فرمایا تھا، اور مجمع الزوائد میں تو اس کی پوری صراحت ہے، دیکھئے ص ۱۳۹ تا ۱۴۰ ج ۱،
 و مسند احمد، ص ۸۰ و ۸۲ ج ۴ و مستدرک حاکم، کتاب العلم، باب ثلاث لا یغفل علیہن الہؒ ص ۸۶ تا ۸۸ ج ۱
 حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو ”صحیح علی شرط الشیخین“ کہا ہے۔

۴۔ مسند احمد، ص ۱۸۳ ج ۵۔

۵۔ مستدرک، کتاب العلم، باب ”ثلاث لا یغفل علیہن الہؒ“ ص ۸۸ ج ۱ اول، حاکم اور ذہبی
 دونوں نے ان کی روایت کو ”صحیح علی شرط مسلم“ قرار دیا ہے۔

۶۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضرت ابوترکہ صافہؓ تک پانچ صحابہ کرامؓ کی روایتیں
 علامہ بیہقیؒ نے مجمع الزوائد میں قدرے ضعیف یا غیر موثق سندوں سے ذکر کی ہیں،

ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ج ۱۔

① حضرت ابو قریصافہ ، رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ
شَدَّ شَدَّ إِلَى النَّارِ ۔
”اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے، اور
جو شخص (ان سے) الگ راستہ اختیار کرے گا

جہنم کی طرف جائے گا“

معلوم ہوا کہ ”الجماعۃ“ مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت (کو اللہ تعالیٰ کی ایک
خاص تائید و رہنمائی حاصل ہے، جو اس کو ہر خطا سے بچاتی ہے، اُن کے متفقہ عقیدہ
یا عمل کے خلاف جو بات ہوگی غلط اور باطل ہوگی، اسی لئے پچھلی احادیث میں
”الجماعۃ“ کے اتباع کا حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے، اور یہاں ”الجماعۃ“ سے
الگ راستہ اختیار کرنے والوں کو بتایا گیا ہے، کہ ان کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہما

سے ابو قریصافہ، ان کی کنیت اور نام ”حَدَّثَنَا بْنُ خَلِيشَةَ“ ہے، علامہ ابن الاثیر جزیریؒ نے

اُسُدُ الْغَابَةِ میں کہا ہے کہ یہ صحابی ہیں، فلسطین جا کر آباد ہو گئے تھے، شام کے محدثین نے ان سے

حدیثیں روایت کی ہیں، اُسُدُ الْغَابَةِ میں اُن کے والد کا نام ایک جگہ ”خَلِيشَةَ“ اور دوسری جگہ

”حَبْشِيَّة“ لکھا ہے، بظاہر پہلا ہی نام صحیح ہے، کیونکہ اس کے حروف کو علامہ جزیریؒ نے ضبط

کیا ہے، دوسرے کو ضبط نہیں کیا ہے۔ اُسُدُ الْغَابَةِ ص ۳۰۷ ج ۱ و ص ۲۷۷ ج ۵، مجمع الزوائد

میں اُن صحابی کا نام ”حَدَّثَنَا بْنُ خَلِيشَةَ“ لکھا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

سے جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ ص ۲۹ ج ۲ و مستدرک کتاب العلم

ص ۱۱۵ ج ۱۔ اس حدیث کی سند کا مفصل حال حدیث نمبر (۴) کے متعلقہ حاشیہ میں پیچھے بیان

ہو چکا ہے، کیونکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث نمبر (۴) ہی کا آخری حصہ ہے۔

سے مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج ۵۔

نے روایت کی ہے، اور اس کا پہلا جملہ ”يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ“ مزید دو صحابہ کرام ① حضرت عبد اللہ بن عباس اور ② حضرت عوف بن رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے۔

⑧ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَنْ ذَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبَّرَ أَفْئَاتَ قَمِيَّتِهِ جَاهِلِيَّتَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ
 ”جس شخص نے جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت و مسلمہ و الخطیب وغیرہم عن ابن عباس وغیرہ“

”جاہلیت“ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس دور کو کہا گیا ہے جب عرب میں کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور اسلام کا سورج طلوع نہ ہوا تھا، اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”الجماعۃ“ سے علیحدگی اختیار کرنے یعنی ان کے متفقہ فیصلہ، عقیدہ یا عمل کی مخالفت کو کتنا سنگین جرم قرار دیا ہے، آپ نے اس کی ممانعت میں اتنی تاکید سے کام لیا کہ معتبر کتب حدیث میں صرف اسی مضمون کی انیس حدیثیں راقم الحروف کو ملی ہیں جو سترہ صحابہ کرام نے روایت کی ہیں، اُن میں ”الجماعۃ“ سے علیحدگی کی نہ صرف شدید مذمت کی گئی بلکہ اس پر دنیا و آخرت کی سخت سزائیں مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں، کسی حدیثوں میں ارشاد ہے کہ ”جس نے“ ”الجماعۃ“ سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کی اور

۱۔ جامع ترمذی، حوالہ بالا و مستدرک حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج ۱

۲۔ سنن نسائی، ص ۱۵۸ ج ۲ و کتاب الفقیہ و المتفقہ، ص ۱۶۲ جزو خامس، مجمع الزوائد

مرگیا تو وہ ”جاہلیت“ کی موت مرا ” کچھ حدیثوں میں ارشاد ہے کہ :-
 فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ
 ” اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن
 مِنْ عُنُقِهِ ۔
 سے نکال دیا“

کہیں ارشاد ہے کہ :-
 دَخَلَ النَّارَ
 وہ آگ میں داخل ہوگا“

کہیں ارشاد ہے کہ :-
 فَهُوَ فِي النَّارِ
 ” وہ آگ میں ہے ۔“
 کہیں ارشاد ہے کہ :-
 فَلَا حُجَّةَ لَهُ
 ” اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی جس کی

بنیاد پر اُسے معذور قرار دیا جاسکے اور وہ
 عذاب سے بچ سکے۔“

کہیں ارشاد ہے کہ :-
 فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ
 وہ ایسے لوگوں کا کچھ حال نہ پوچھو کہ ان پر
 آخرت میں کیا عذاب ہونے والا ہے۔“

کہیں فرمان ہے کہ :-
 فَاقْتُلُوهُمْ
 ” اُسے قتل کر ڈالو“

کہیں حکم ہے کہ :-
 فَاصْرِبُوا عُنُقَهُ كَأَنَّهُ
 ” اس کی گردن مار دو خواہ وہ کوئی
 مِّنْ كَانٍ ۔
 بھی ہو۔“

کہیں فرمان ہے کہ :-
 فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ
 ” جو شخص ”الجماعۃ“ سے علیحدگی اختیار

فَارَقَ الْجَمَاعَةَ يَرْكُضُ کرے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو اسے

دگنا ہوں کی طرف، اڑیے لگاتا (دوڑاتا) رہتا ہے

کہیں مشرما یا کہ :-

أَقْتُلُوا الْفَدَّ مَنْ كَانَ

”علیحدگی اختیار کرنے (الجماعۃ کی مخالفت

کرنے، والے کو قتل کر دو، وہ کوئی بھی آدمی ہو“

مِنَ النَّاسِ ۔

کہیں ارشاد ہے کہ :-

وَأَمَّا تَرَكُ السُّنَّةِ

”ترک سنت یہ ہے کہ“ الجماعۃ سے خارج

ہو جائے“

فَالْخُرُوجُ مِنَ الْجَمَاعَةِ ۔

ایک حدیث صحیح میں یہ قانون بتایا گیا ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون صرف

تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے، جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ وہ

التَّارِكُ لِدِينِهِ ”اپنے دین کو چھوڑنے والا (یعنی) الجماعۃ

سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہو“

الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ ۔

جن سترو صحابہ کرامؓ نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں اُن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

① حضرت ابن عباس ② حضرت عثمان غنی ③ حضرت عرقبہ

لے صحیح بخاری، اول کتاب الفتن، باب ما جاز فی قول اللہ تعالیٰ وَاتَّقُوا قِسْمَهُ لَا تُصِيبَنَّ

الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَيْهِ ص ۱۰۴۵ ج ثانی صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمة المسلمين

ص ۱۲۸ ج ثانی و کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۴ جزو خامس ۔

لے اُن کی روایت ”التارک لدینہ المفارق للجماعۃ“ کے لئے دیکھئے جامع ترمذی

باب ما جاز لا یحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدَى ثَلَاثٍ ابواب الدیات ص ۲۰۳ ج اول ۔

لے ان کی روایت فَاصْبِرْ بُؤُؤًا بِالسَّيْفِ کے لئے دیکھئے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

۴) حضرت اُسَامَہ بن شَرِیک ۵) حضرت عائشہ ۶) حضرت ابوہریرہ ۷) حضرت ابوذر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب حکم من فرق امر المسلمین، ص ۲۸ ج ۲ ثانی
وسنن نسائی، کتاب المحاربہ ”قتل من فارق الجماعة“ ص ۵۸ ج ۱ ثانی و سنن ابوداؤد
کتاب السنۃ باب قتل الخوارج، ص ۶۵۵ ج ۲ ثانی، نیز ان کی روایت فان الشیطان
مع من خالف یرکض“ کے لئے دیکھئے صحیح الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵۔

حاشیہ صفحہ ۳۸

۱) ان کی روایت ”فَاَصْرُہُوَا عُنُقَہُ“ کے لئے دیکھئے سنن نسائی، حوالہ بالا۔
۲) ان کی روایت ”التارک لدینہ المفارق للجماعۃ“ کے لئے دیکھئے صحیح مسلم
کتاب القسامۃ والقصاص باب ما یباح بہ دم المسلم ص ۵۹ ج ۲ ثانی، و ترمذی ابواب الدیات
باب ما جاز لا یکل دم امرئ مسلم الخ ص ۲۰۳ ج ۱ اول،
۳) ان کی روایت ”مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً“ کے لئے دیکھئے ”التعلیظ فمیں قاتل تحت
رأیہ عمیہ“، ص ۱۶۸ ج ۲ ثانی و مستدرک کتاب العلم ”من فارق الجماعة الخ“ ص ۱۱۸ و ۱۱۹
ج ۱ اول، حاکم اور ذہبی نے ابوہریرہ کی اس روایت کی سند کے متعلق کہا ہے کہ ”قد
اتفقا علی اخراج ابی ہریرۃ فی مثل هذا“ نیز ابوہریرہ ہی کی روایت ”وَأَمَّا
تَرُکُ السُّنَّةِ فَالْخُرُوجُ مِنَ الْجَمَاعَةِ“ کے لئے دیکھئے مستدرک، کتاب العلم
ص ۱۲۰ ج ۱ اول، اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے ”صحیح علی شرط مسلم“ قرار دیا ہے۔
۴) ان کی روایت ”فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه“ کے لئے دیکھئے
سنن ابوداؤد کتاب السنۃ باب قتل الخوارج، ص ۶۵۵ ج ۲ ثانی، ابوداؤد نے ان کی روایت
کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا، نیز دیکھئے مستدرک ص ۱۱ ج ۱ اول، قال الذہبی فی سندہ
”خالدٌ لَمْ یُضَعَّفْ“

غفاری ۸) حضرت حارث اشعری ۹) حضرت معاویہ ۱۰) حضرت ابن عمر ۱۱) حضرت حذیفہ ۱۲) حضرت عامر بن ربیعہ ۱۳) حضرت فضالہ بن عیینہ ۱۴) حضرت ابن مسعود

لے ان کی روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جو ابو ذرؓ کی روایت میں ہیں، دیکھئے جامع ترمذی ابواب الاشارة، باب ما جاء فی مثل الصلوة والصیام الخ، ص ۱۲۹ ج ۲، امام ترمذی نے ان کی روایت کو ”حدیث حسن صحیح غریب“ کہہ کر اسی حدیث کا ایک اور طریق بھی بیان کیا ہے، نیز دیکھئے مستدرک کتاب العلم، ص ۱۱۷ و ۱۱۸ ج اول۔

۱۵) مستدرک ص ۱۱۸ ج ۱، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت ”من فارق الجماعة شبرا دخل النار“ کی سند پر سکوت کیا ہے۔

۱۶) ان کی روایت ”فَلَا حُجَّةَ لَهٗ“ کی سند کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ”قد اتفقا علی إخراج ابی هريرة فی مثل هذا“، دیکھئے مستدرک مع تلمیض، ص ۱۱۸ و ۱۱۹ ج اول، نیز ابن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت ”أَخْرَجَ مِنْ عُنُقِهِ دَبْقَ الْإِسْلَامِ“ کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۶۴ ج خامس و مجمع الزوائد ص ۲۲۰ ج ۵ مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حافظ ذہبی نے ان کی روایت کو ”صحیح“ کہا ہے۔

۱۷) ان کی روایت ”هَاتَ مِيشَةً جَاهِلِيَّةً“ کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۶۴ ج خامس و مجمع الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵، میں اس روایت کو قدس لفظی فرق کے ساتھ طبرانی سے نقل کر کے علامہ سیوطی نے فرمایا ہے کہ ”رِجَالُهُ ثِقَاتٌ“

۱۸) ان کی روایت ”فَأَقْسُوا“ کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۴ ج خامس و نیز ان کی ایک اور روایت ”التارک لدینہ المفارق للجماعة“ کے لئے دیکھئے صحیح مسلم کتاب القسامہ ج اول والقصاص، باب ما یباح بدوم المسلم ص ۵۹ ج ثانی و ترمذی ابواب الذیات باب ما جاء لا یحل دلمرئی مسلم ج ۲

⑮ حضرت ابومالک اشعری ⑯ حضرت ابوبکر ⑰ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

⑨ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :-

”میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی“
 اِنَّ اُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَىٰ ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ
 ”پس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو ”سواد اعظم“ کو لازم پکڑو یعنی اس کا اتباع کرو۔“

اس حدیث کا پہلا جملہ تو چھپے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آچکا ہے، یہاں اس کا دوسرا جملہ ”پس تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑو“ بیان کرنا مقصود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ حضرت انس کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک اور روایت میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:

۱۔ کتاب الفقیہ والتفقہ ۱۶۴ ج ۵ ، مجمع الزوائد ص ۲۲۷ ج ۵۔

۲۔ یہ اسم گرامی سب سے پہلے لکھنا چاہئے تھا مگر ان کی روایت ”اَقْسَلُوا الْقَدَّ“ جس سند سے منقول ہے اس میں ایک راوی ”صالح بن قنیم“ ہیں جن کے متعلق حافظ بیہقی نے کہا ہے کہ ”میں ان کو نہیں جانتا، اس سند کے باقی سب راوی ثقہ ہیں“ (مجمع الزوائد ص ۲۳۳ ج ۵)۔

۳۔ مجمع الزوائد ص ۲۲۱ ج ۵۔

۴۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳۔

۵۔ مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۵ ج ۱ اول، حاکم نے ابن عمر کی یہ روایت دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں کے بارے میں صحت سند کا رجحان تو ظاہر کیا ہے، فیصلہ ہمیں کیا، حافظ ذہبی نے سکوت کیا ہے۔

فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ ” پس تم ” سواد اعظم “ کا اتباع کرو ،
 فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي السَّارِ کیونکہ جو شخص الگ راستہ اختیار کرے گا
 جہنم میں جائے گا ۔

معلوم ہوا کہ اُمت کا ” سواد اعظم “ ہمیشہ حق پر رہے گا ، کبھی غلط بات پر متفق
 نہ ہوگا ، ورنہ اس کے اتباع کا حکم نہ دیا جاتا ۔

” السواد الاعظم “ عربی زبان میں عظیم ترین
 الجماعۃ ” اور ” سواد اعظم “ جماعت کو کہا جاتا ہے ، یہاں مسلمانوں کا وہ
 سے کیا مراد ہے ؟ فرقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے صحابہؓ کے طریقہ پر ہو ، چنانچہ چار صحابہ کرام ① حضرت ابوالدرداء ② حضرت
 ابوامامہ ③ حضرت واثلہ بن الاسقع ، اور ④ حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت
 ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ” سواد اعظم “ کیا ہے ؟
 تو آپ نے فرمایا ” وہ لوگ جو اس طریقہ پر ہوں جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے “
 یہی مضمون اگلی حدیث میں بھی وضاحت سے آ رہا ہے ۔

۱۔ القحاح للبوہری ، ص ۲۸۹ ج اول ۔

۲۔ مجمع الزوائد ، کتاب لعلم باب ما جاء فی المراد ، ص ۱۵۶ ج اول و کتاب الفتن ، باب
 افسراق الائم ، ص ۲۵۹ ج ۲ سابق بحوالہ طبرانی فی الکبیر ، حافظ ہاشمیؒ فرماتے ہیں کہ
 ” اس کی سند میں ایک راوی ” کثیر بن مروان “ ہیں جو بہت ضعیف ہیں “ لیکن راقم الحرف
 عرض کرتا ہے کہ جو مضمون اس روایت میں بیان کیا گیا ہے وہی مضمون اگلی حدیث نمبر ۱۱ میں
 قوی سند کے ساتھ آ رہا ہے ، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے ثابت ہونے
 میں کوئی اشکال نہیں ۱۲ رفیع

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

”بَنِي إِسْرَائِيلَ بَهْتَرُ فِرْقُونَ فِي بَيْتِ كَعْبٍ
تَحْتَهُ أَوْرَمِيرِي أَمْتٌ تَهْتَرُ فِرْقُونَ فِي بَيْتِ
جَامِرِ كَعْبٍ، يَهْتَرُ سَبْ أَلْكَ فِي بَيْتِ جَامِرِ كَعْبٍ،
سَوَاءٌ أَلْكَ فِرْقَةٍ كَعْبٍ، صَحَابَهُ نَعْبُ جَامِرِ كَعْبٍ،
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهْ كَوْنَا فِرْقَةٍ هَيْ هَيْ فَرَمَا
وَهْ جَمِ بَرَمِ بَرَمِ بَرَمِ بَرَمِ بَرَمِ بَرَمِ بَرَمِ
أَصْحَابِي -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے علاوہ
مزید پانچ صحابہ کرام نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے جن
کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

① حضرت معاویہ ② حضرت عوف بن مالک ③ حضرت انس

۱۔ جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق بذہ الأمتہ، ص ۱۰۴ ج ثانی، امام ترمذی
نے یہ حدیث قوی سند کے ساتھ روایت کر کے فرمایا ہے کہ: ”هَذَا أَحَدٌ يَتُّ حَسَنٌ غَرِيبٌ
مُقَسَّرٌ لَا تَحْرِيْقُهُ مِثْلُ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ“

۲۔ سنن البوداؤد اول کتاب السنۃ، ص ۶۳۱ ج ثانی و مشکوٰۃ ص ۳۰ ج اول بحوالہ ترمذی۔

۳۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب افتراق الامم، ص ۲۸۷۔

۴۔ مجمع الزوائد کتاب قتال اہل البغی، باب ماجاء فی الخوارج، ص ۲۲۶ ج سادس، و باب

افتراق الامم ص ۲۵۸ ج ۷، و کتاب الفقیہ والمتفقہ (للخطیب) ص ۱۶۵ جزو خامس۔

④ حضرت عمرو بن عوف ⑤ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان چھ حضرات کی روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے میں متفق ہیں کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک منقرہ نجات پائے گا باقی سب فرقے آگ میں جائیں گے، رہا یہ سوال کہ وہ نجات یافتہ فرقہ کونسا ہے؟ تو اس کا جواب ان روایتوں میں مختلف الفاظ سے دیا گیا ہے۔ ایک جواب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں اُوپر آیا ہے، کہ ”وہ فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ میں یہی بات ہے جو پچھلی حدیث (نمبر ۹) میں ”السَّوَادُ الْأَعْظَمُ“ کے متعلق فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت میں اس منقرہ کو ”السَّوَادُ الْأَعْظَمُ“ کے نام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایت میں ہے کہ وہ فرقہ ”الْإِسْلَامُ وَجَمَاعَتُهُمْ“ ہے، یعنی اسلام اور مسلمانوں کی جماعت“ باقی تینوں صحابہ کرامؓ روایتوں میں ہے کہ وہ فرقہ ”الجماعة“ ہے۔

روایات کی اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آئیں۔

① وہ نجات یافتہ فرقہ اُن لوگوں کا ہے ”جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے متبع ہوں۔“

۱۔ مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب افراق الامم، ص ۲۶۰ ج ۷۔

۲۔ حوالہ بالا، ص ۲۵۸ ج ۷ بحوالہ طبرانی فی الاوسط والکبیر، علامہ سیوطی نے اس کی سند کی توثیق فرمائی ہے۔

۳۔ سوائے حضرت انسؓ کے کہ انہوں نے کُل بُہتر کا عدد روایت کیا ہے۔ (رفیع)

② اس نجات یافتہ فرقہ کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں ”السَّوَادُ الْأَعْظَمُ“ اور بعض روایات میں ”الْجَمَاعَةُ“ بتایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”السَّوَادُ الْأَعْظَمُ“ اور ”الْجَمَاعَةُ“ درحقیقت

اس نجات پانے والے ایک ہی فرقہ کے دو نام ہیں، اور یہ فرقہ ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت پر قائم ہوں، صرف انہی لوگوں کا راستہ راہ ہدایت و نجات ہے، اس کے خلاف سب راستے گمراہی اور جہنم کی طرف جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سچے حدیث نمبر ۹ تا نمبر ۹ میں ”الْجَمَاعَةُ“ اور ”سوادِ اعظم“ کے اتباع کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا، جن کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ ”اُن پر اللہ کا ہاتھ ہے“ اُن کے اتباع کی تاثیر بتائی گئی کہ وہ نفسِ شیطان کی حیلہ سازیوں سے بچاتا ہے، اور اس کی مخالفت کی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم کی آگ مقرر فرمائی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

بہر حال زیر بحث حدیث (نمبر ۱۰) سے بھی وہ بات معلوم ہوئی جو پچھلی تمام احادیث سے ثابت ہوتی آرہی ہے کہ امت میں فساد اور بگاڑ پھیل جانے کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ حق پر قائم رہے گا پوری امت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ دہی ہے جو ”مُجْتَمِعِ اِجْمَاع“ کا حاصل ہے کہ ”امت کا متفقہ عقیدہ، عمل یا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، اس کا اتباع فرض اور مخالفت سخت حرام ہے“

یہاں تک مُجْتَمِعِ اِجْمَاع پر ہم نے قرآن حکیم کی پانچ آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دس حدیثیں بیان کی ہیں، جو چوالیس صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہیں۔

ان صحابہ کرام کے بعد اب تک ہر زمانے میں ان احادیث کو نسلًا بعد نسل کن کن حضرات نے روایت کیا، اور ان کی مجموعی تعداد ہر زمانہ میں کتنی کتنی رہی؟ یہ سب

تفصیل بھی اگر اس مقالے میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی تو یہ مقالہ ”مقالے“ کی بجائے ناموں کی ایک ضخیم ”ڈائریکٹری“ بن جاتا، کیونکہ صحابہ کرام کے بعد ان احادیث کے راویوں کی تعداد کم ہونے کے بجائے ہر زمانے میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے جس کو کسی ایک کتاب میں سمیٹنا آسان نہیں۔ اور اس مقالے کے بعد اس کاوش کی ضرورت بھی اس لئے نہیں رہی کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی کا طویل سلسلہ ان کتب حدیث میں اب پاسانی دیکھا جاسکتا ہے، جن کے مفصل حوالوں سے اس مقالے میں حدیث نقل کی گئی ہیں۔ ان حوالوں کی مدد سے ہر متعلقہ کتاب میں وہ حدیث نکال کر اس کی سند دیکھی جاسکتی ہے جس سے یہ حقیقت خوب واضح ہو جائے گی کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے تابعین کی تعداد صحابہ کرام سے زیادہ، اور تبع تابعین کی تعداد تابعین سے زیادہ ہے، اور ہر زمانے میں راویوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی چلی گئی ہے۔ لہذا ان احادیث کے ”متواتر“ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ان میں سے ہر حدیث الگ الگ اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ان سب احادیث کا مشترک مضمون جو اجماع کی محبت کو ثابت کرتا ہے متواتر ہے، لہذا تو اتر سے اجماع کا حجت ہونا اور فقہ کے لئے عظیم مآخذ ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ سب وہ آیات و احادیث ہیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر فقہاء اور محدثین و مفسرین نے عام طور پر استدلال کیا ہے، بعض علماء محققین نے اور بھی کئی

۱۔ تو اتر کی بحث میں یہ بات پہلے ہی واضح ہو چکی ہے کہ تو اتر کی اس قسم کو ”تواتر معنوی“ کہا جاتا ہے، اور یہ بھی تو اتر کی باقی قسموں کی طرح علم قطعی یقینی کا قاعدہ دیتا ہے، فتح الملہم ص ۶ ج ۱ اول۔

آیات و احادیث دلیل میں پیش کی ہیں، مگر ہم نے اختصار کے لئے صرف وہ آیات و احادیث ذکر کی ہیں جو اجماع کی محیثیت میں زیادہ واضح تھیں۔ مطالعہ کے دوران اس سلسلہ میں صحابہ کرام کے اقوال و آثار بھی سامنے آئے ہیں، مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

محیثیت اجماع پر پند آثار صحابہ ① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:-

مَا رَأَى السُّلَمُونَ حَسَنًا فَهَوُ
عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَى السُّلَمُونَ
قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ،
”جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں، وہ
اللہ کے نزدیک اچھی اور جس کو تمام مسلمان
برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔“

۱۔ مثلاً سورہ نسا کی آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ (نساء: ۵۸) اور سورہ اعراف کی آیت ”وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً
يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ“ (اعراف: ۱۸۰) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ”يُوشِكُ أَنْ تَعْرِفُوا أَهْلَ الْجَنَّةِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ — أَوْ قَالَ خِيَارَكُمْ
مِنْ شِرَارِكُمْ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِمَاذَا؟ قَالَ بِالتَّائِبِ الْحَسَنِ وَالتَّائِبِ
السَّيِّئِ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ“ (مسند ابی حنبلہ، کتاب العلم ص ۱۲۰)
ج اول، قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد وقال الذهبي صحيح.
۲۔ موطا امام محمد، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان، ص ۱۴۰ و مجمع الزوائد ص ۱
ج اول بحوالہ احمد والبخاری والطبرانی فی الکبیر، قال الهیثمی ”رجالہ موثقون“ امام محمد
نے موطا میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے مگر سند ذکر نہیں فرمائی،
اُن تک یہ ارشاد ضرور قابل اعتماد سند سے پہنچا ہوگا، اور ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا، کیونکہ اتنا بڑا قاعدہ کلیہ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۹)

(۳) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قاضی شریف کو مدالتی فیصلوں کے لئے جو بنیادی اصول لکھ کر بھیجے ان میں تیسرا اصول یہ تھا کہ جس مسئلہ کا حکم قرآن و سنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اس میں امت کے اجماعی فیصلہ پر عمل کریں، حضرت عمرؓ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

کَتَبَ عُمَرُ إِلَى شُرَيْحٍ	"حضرت عمرؓ نے شریف کو لکھ کر بھیجا کہ : تم
أَنْ أَقْضِيَ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ	فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو، اور اگر
فَإِنْ أَتَاكَ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ	تمہارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا
فَأَقْضِ بِمَا سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ	(صریح حکم قرآن شریف میں نہ ہو، تو رسول اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ أَتَاكَ أَمْرٌ لَيْسَ	صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ
فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَمْ يَسْنَهُ رَسُولُ	کرو، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حکم
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْظِرْ	(صریح طور پر) نہ قرآن حکیم میں ہو نہ رسول اللہ

دبقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسندیدگی کی خبر دے رہا ہو محض قیاس سے دیتا نہیں کیا جاسکتا، یہ بات صرف وحی سے معلوم ہو سکتی ہے اور صاحبِ وحی ہی بتا سکتا ہے مگر ہم نے اس کو احادیث نبویہ کی بجائے آثارِ صحابہ میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جن قابلِ اعتماد سندوں سے ہم تک پہنچا ہے وہ سب ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتیں، اور جو سندیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں وہ محدثین کی کڑی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیق المجد علی مؤطا الامام محمد ص ۱۴۰ و ۱۴۱۔

۱۔ دیکھئے خطیب بغدادیؒ کی مشہور تصنیف "کتاب الفقہ والمتفقہ" ص ۱۶۶ جزو خامس۔

لَهُ الَّذِي اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ
فَإِنْ جَاءَكَ أَمْرٌ لَمْ يَتَكَلَّمْ
فِيهِ أَحَدٌ قَائِي الْأُمُورِ شِئْتُ
فَخَذُّ بِهِ إِنْ شِئْتُ فَتَقَدَّمَ
وَإِنْ شِئْتُ فَتَأَخَّرَ وَلَا أَرَى
التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَكَ -

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں، تو تم اس
کے لئے وہ فیصلہ تلاش کرو جس پر سب
لوگ متفق ہو چکے ہوں، اور اگر کوئی ایسا
مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ
موجود نہ ہو (نہ قرآن میں نہ سنت میں نہ اجماع میں)
تو اب دو صورتوں میں سے جس کو چاہو اختیار

کر لو یعنی چاہو تو آگے بڑھ جاؤ (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کر دو) اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ،
(یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بجائے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرو) اور میں تمہارے لئے
ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔“

(۳) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:-

اتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَيْكُمْ الْجَمَاعَةُ
فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ لِيَجْمَعْ أُمَّةَ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى ضَلَالَةٍ -

”اللہ سے ڈرو اور“ الجماعت“ کے ساتھ
رہو، کیونکہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
کو کبھی بھی کسی گمراہی پر متفق نہیں
کرے گا۔“

یہاں ایک یہ بات قابل ذکر ہے کہ
اجماع کے حجت ہونے کا یہ مطلب

اجماع کا فائدہ اور سند اجماع

ہرگز نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو شرعی احکام میں نعوذ باللہ خدائی کے اختیارات
مل گئے ہیں، کہ وہ مسترآن و سنت سے آزاد ہو کر جس چیز کو چاہیں حرام اور جس
کو چاہیں حلال کر دیں۔ خوب سمجھ لیںنا چاہئے کہ فقہ کا کوئی مسئلہ قرآن یا سنت

کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا، اجماع کا بھی ہر فیصلہ قرآن و سنت کا محتاج ہے چنانچہ فقہ کے جس مسئلہ پر بھی اجماع منعقد ہوتا ہے، وہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت سے، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن یا سنت میں موجود ہو، غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے، جس کو ”سند اجماع“ کہا جاتا ہے۔

یہ سوال کہ جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ ہوا؟ اور اسے فقہ کے دلائل میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اجماع کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر ”ظنی“ ہو تو اجماع اسے ”قطعی“ (ایسا یقینی جس میں ادنیٰ تردد کی گنجائش نہ ہے) بنا دیتا ہے، جس کے بعد کسی فقیہ مجتہد کو بھی اس اختلاف کا جواز باقی نہیں رہتا، اور اگر وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیل شرعی پر مبنی ہو بعد کے

۱۔ یعنی ایسا یقینی جس میں تردد کی گنجائش ہو، یا دہے کہ دلیل ظنی سے ثابت ہونے والا حکم ظنی ہوتا ہے اور دلیل قطعی سے ثابت ہونے والا حکم قطعی ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی جن آیات کا مطلب متعین طور پر خوب واضح اور یقینی نہ ہو بلکہ اس میں ایک سے زیادہ مطالب کا احتمال ہو تو وہ آیت معنی کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے، اور جو حدیث تو اس سے ثابت نہ ہو وہ بھی ظنی اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے، نیز قیاس بھی دلیل ظنی ہے اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی، اجماع ان تمام ظنی احکام کو قطعی بنا دیتا ہے۔ رفیع

لوگوں کو اس دلیل کے پرکھنے اور اس میں غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام مجتہدین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، انہوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی۔ پسند اجماع کی چند مثالوں سے یہ دونوں فائدے کچھ اور واضح ہو جائیں گے۔

مثلاً فقہ کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام ہے، اجماع کریموالوں

چند مثالیں

①

نے یہ مسئلہ قرآن حکیم کی آیت :-

حَرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
وَبَنَاتُكُمْ ، (نساء: ۲۲) تمہاری بیٹیاں

سے لیا ہے، لہذا یہ آیت اس مسئلہ کے لئے ”سند اجماع“ ہے، مذکورہ بالا فقہی حکم اگرچہ اس آیت سے ثابت ہو چکا تھا، کیونکہ ”اُمّہات“ (مائیں) کا لفظ دادی اور نانی کو بھی شامل ہے، اور ”بنات“ (بیٹیاں) کا لفظ نواسی کو بھی شامل ہے، لیکن یہ حکم یقینی اور قطعی نہ تھا، کیونکہ یہ احتمال موجود تھا کہ ”اُمّہات“ (مائیں) سے یہاں صرف حقیقی مائیں مراد ہوں، دادی اور نانی مراد نہ ہوں، اسی طرح ”بنات“ (بیٹیاں) کے لفظ میں احتمال تھا کہ اس سے یہاں صرف حقیقی بیٹیاں مراد ہوں بیٹیوں کی بیٹیاں مراد نہ ہوں، چنانچہ اس احتمال کی بنیاد پر کوئی مجتہد یہ کہہ سکتا تھا کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام نہیں، مگر حیب ان کے حرام

ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا تو یہ حکم قطعی اور یقینی ہو گیا، اور مذکورہ بالا احتمال معتبر نہ رہا، اور کسی مجتہد کو اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۲) یہ اُس اجماعی فیصلہ کی مثال تھی جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے۔ اور سنت سے ماخوذ ہونے کی مثال فقہ کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینا جائز نہیں، (جیسا کہ آجکل سٹڈ میں ہوتا ہے کہ محض زبانی یا تحریری طور پر کسی چیز کی خریداری کا معاملہ کر کے قبضہ کئے بغیر اسے دوسرے کے ہاتھ اور دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، جو قطعاً حرام ہے) اس مسئلہ میں استدلال اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ :-

مَنْ ابْتِاعَ طَعَامًا فَلَا يَبْعُهُ
حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ۔ ”جس نے کوئی کھانے کی چیز خریدی وہ اُس پر جب تک قبضہ نہ کر لے اُسے فروخت نہ کرے۔“

یہ حکم جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس حدیث سے معلوم ہو گیا تھا، مگر یہ حدیث ”غیر متواتر“ تھی، اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ ”حدیث غیر متواتر“ ظنی ہوتی ہے، لہذا یہ حکم بھی ظنی تھا قطعی نہ تھا، جب اس پر اجماع منعقد ہوا تو یہی حکم قطعی بن گیا۔

(۳) اور قیاس سے ماخوذ ہونے کی مثال فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ

۱۔ تفسیر روح المعانی، ص ۲۴۹ ج ۳

۲۔ نور الانوار، ص ۲۲۲، بحث الاجماع۔

۳۔ مشکوٰۃ شریف، عن ابن عمر، ص ۲۴۷ ج ۱، کتاب البیوع، باب المنہی عنہا من البیوع،

بحوالہ بخاری و مسلم۔

۴۔ نور الانوار، ص ۲۲۲، بحث الاجماع۔

ربا (سود) چاول میں بھی جاری ہوتا ہے، یعنی جب چاول کو چاول کے عوض میں فروخت کیا جائے تو ادھار بھی حرام ہے، اور کسی طرف مقدار میں کمی بیشی بھی حرام لیں دین ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے، اور دونوں چاول خواہ مختلف قسم کے ہوں مگر مقدار ان کی برابر ہونی ضروری ہے، ادھار کریں گے یا مقدار میں کسی طرف کمی بیشی ہوگی تو ربا ہو جائے گا جو حرام ہے۔

یہ اجماعی فیصلہ قیاس کی بنیاد پر کیا گیا ہے، یعنی اس مسئلہ میں ”سند اجماع“ قیاس ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں سوٹا، چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک — کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی چیز کو جب تم اسی کی جنس کے بدلے میں فروخت کرو تو اس میں ادھار یا کمی بیشی ربا ہے، جو حرام ہے، حدیث سے ان چھ چیزوں کا حکم تو صاف معلوم ہو گیا تھا، مگر چاول کے متعلق یہ حدیث خاموش تھی، اجماع کرنے والوں نے چاول کا حکم ان چھ چیزوں پر قیاس کر کے معلوم کیا اور بتایا کہ جو حکم ان چھ چیزوں کا ہے وہی چاول کا بھی ہے۔

اگر اس قیاس پر سب مجتہدین کا اجماع نہ ہوا ہوتا تو یہ حکم ظنی ہوتا، کیونکہ قیاس دلیل ظنی ہے، اور دلیل ظنی سے حکم قطعی ثابت نہیں ہو سکتا، مگر جب اس قیاس پر ایک زمانہ کے تمام مجتہدین نے اجماع کر لیا، تو یہ حکم قطعی ہو گیا، اجماع سے پہلے کسی فقیہ کو اس سے مختلف قیاس کرنے کی گنجائش تھی، اجماع کے بعد یہ

۱۔ صحیح مسلم شریف، ص ۲۴ و ۲۵ ج ۲ باب الربا، کتاب البیوع۔

۲۔ قیاس ایک دقیقہ اور پیچیدہ فکری عمل کا نام ہے، جس کی ضروری تشریح رسالہ کے بالکل شروع میں آچکی ہے۔

گنجائش ختم ہو گئی۔

(۴) بسا اوقات جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہوا ہو وہ پہلے ہی سے قطعی ہوتا ہے، ایسی صورت میں اجماع سے صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی قطعیت میں مزید تاکید اور قوت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً پانچوں فرض نمازوں میں رکعتوں کی تعداد سنت متواترہ سے ثابت ہے، اور اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر قطعی طور پر فرض ہے پھر پوری امت کا اجماع بھی اس پر چلا آ رہا ہے، جس کے لئے ”سند اجماع“ یہی سنت متواترہ ہے، اس مثال میں ایک ایسے حکم شرعی پر اجماع منعقد ہوا ہے جو پہلے ہی سے قطعی تھا، لہذا اجماع سے اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا ہو گئی۔ اگر بالفرض کسی زمانہ میں لوگوں کو خدا نخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا، تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لئے لازم ہو گئی کہ پوری امت کا اجماع اس پر چلا آ رہا ہے، یہی حال اُدھر کی باقی مثالوں کا ہے کہ اجماع کرنے والوں نے جس سند اجماع کی بنیاد پر وہ فیصلے کئے تھے اگر بعد کے لوگوں کو وہ سند اجماع معلوم نہ ہو، یا یاد نہ رہے تب بھی وہ اجماعی فیصلے قطعی اور واجب العمل رہیں گے، کیونکہ سند اجماع کی ضرورت احکام کرنے والوں کو ہوتی ہے، بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ فقہاء اور مجتہد ہوں) سند اجماع کی ضرورت نہیں، اُن کے لئے صرف اجماع ہی کافی دلیل ہے۔

اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟ | اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع صرف عاقل بالغ مسلمانوں کا معتبر

ہے، کسی مجنون، بچہ یا کافر کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں، نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اجماع منعقد ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عہد صحابہ سے لیکر

قیامت تک کے تمام مسلمان کسی مسئلہ پر متفق ہوں، اس لئے کہ اگر اسے اجماع کے لئے شرط قرار دیا جائے تو قیامت سے پہلے کسی بھی مسئلہ پر اجماع منعقد نہ ہو سکے گا، لہذا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع کے لئے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کا متفق ہو جانا کافی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ضروری ہے یا مخصوص قسم کے افراد کا متفق ہو جانا کافی ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ ہم یہاں چند اقوال ذکر کرتے ہیں:-

① امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہے کسی اور کی موافقت یا مخالفت کا اعتبار نہیں۔

② فرقہ زیدیہ اور امامیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اجماع کا اہل کہتا ہے، دوسرے لوگوں کا اجماع ان کے نزدیک معتبر نہیں۔

③ بعض حضراتؒ کے نزدیک صرف صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے، ان حضرات کے نزدیک اجماع کا دروازہ عہد صحابہ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

۱۔ مشہور یہی ہے، مگر بہت سے علماء نے امام مالکؒ کی طرف اس مذہب کی نسبت کا انکار کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے ”التقریر والتجیر“ ص ۱۰۰ ج ۳۔

۲۔ التقریر والتجیر ص ۹۸ ج ۳۔

۳۔ مثلاً داؤد اصفہانی (تسہیل الوصول، ص ۱۷۰) ابن جبان کے کلام سے بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، امام احمدؒ کے دو قول میں، ایک یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرا یہ کہ خاص نہیں، دوسرے قول کو علماء حنابلہ نے صحیح اور راجح قرار دیا ہے (التقریر والتجیر ص ۳)۔

④ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق اجماع کے لئے شرط ہے، عوام ہوں یا خواص، عالم ہوں یا جاہل جب تک سب متفق نہ ہوں اجماع منعقد نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں جمہور کا مذہب ⑤ پانچواں قول جمہور کا ہے جو نہایت معتدل ہے، وہ یہ کہ اجماع صحابہ

کے ساتھ خاص نہیں، کسی بھی زمانہ کے متبع سنت فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کے لئے کافی ہے، عوام اور اہل بدعت یا فاسق کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔

قرآن و سنت کے جن دلائل سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا ہے ان سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان آیات و احادیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ کہیں بھی اجماع کو کسی خاص زمانہ یا مقام یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً ”المؤمنین“، ”الامة“، ”الجماعة“ یا ”سواد اعظم“ کے اتفاق کو حجت قرار دیا گیا ہے، اور یہ چاروں الفاظ صحابہ کرام، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کی طرح دوسرے مسلمانوں پر بھی صادق آتے ہیں، لہذا اجماع کو صرف صحابہ کرام یا اہل بیت یا اہل مدینہ کے ساتھ خاص

۱۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور علامہ آمدیؒ کا صبحان اسی طرف ہے، مگر دونوں کی رائے میں یہ فرق ہے کہ قاضی ابوبکر تو فرماتے ہیں کہ جس اجماع میں کسی عام مسلمان کا اختلاف ہو وہ اجماع شرعاً حجت تو ہے مگر اس کو ”اجماع امت“ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ عام مسلمان بھی امت کا فرد ہے، اور علامہ آمدی ایسے اجماع کو حجت بھی نہیں مانتے، (دیکھئے التقریر شرح التحرير، ص ۳۸۰ ج ۳) ۲۔ التقریر شرح التحرير، ص ۸۱، ۹۵ و ۹۷ ج ۳۔

کرنے کی کوئی واضح دلیل قرآن و سنت میں نہیں ملتی ۔

اجماع کو صرف صحابہ کرام کے ساتھ خاص کرنے والے حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اُن سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے، مگر یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ بعد کے فقہاء کا اجماع حجت نہیں ۔

رہا یہ سوال کہ جب ”مؤمنین“، ”امت“، ”الجماعۃ“ اور ”سواد اعظم“ کے اجماع کو قرآن و سنت میں حجت قرار دیا گیا ہے، تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں بلکہ اہل بدعت اور فاسق و فاجر مسلمانوں کی موافقت بھی اجماع کے لئے شرط ہو، اور اُن کے اختلاف کی صورت میں اجماع منعقد نہ ہو، کیونکہ ”مؤمنین“ اور ”امت“ میں یہ لوگ بھی داخل ہیں ؟

جواب یہ ہے کہ جن دلائل سے اجماع کی حجتیت ثابت ہوئی ہے، ان میں اور دیگر آیات و احادیث میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجماع صرف متبع سنت فقہاء کرام ہی کا معتبر ہے، باقی لوگوں کی موافقت یا مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتی، اُن دلائل کی کچھ تفصیل یہ ہے :-

① قرآن کریم میں دو جگہ صریح ارشاد ہے کہ :

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (نحل: ۴۳ و انبیاء: ۷۰)

”اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو“

لے یہ ”اَہْلُ الذِّکْرِ“ ہی کا ترجمہ ہے، لفظ ”الذکر“ کسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک معنی علم کے بھی ہیں، اسی مناسبت سے قرآن کریم میں توراۃ کو بھی ”الذکر“ فرمایا ہے، ارشاد ہے ”وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ“ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں ان پر واجب ہے کہ علماء سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کریں، توجیب عوام کو خود علماء کے فتوے کا پابند کیا گیا ہے تو دنیا بھر کے تمام علماء (فقہاء) کے متفقہ فیصلہ کی مخالفت عوام کو کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور ان کے موافقت نہ کرنے سے فقہاء کا احسان کیسے باطل ہو سکتا ہے؟

(۲) قرآن حکیم نے فاسق کی دی ہوئی خبر کے متعلق یہ قانون ارشاد فرمایا

ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ
جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا
أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ
فَتُصِيبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ كَادٍ مُّهِينٌ
”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی
فاسق خبر لے کر آئے (تو اس خبر کی) خوب
تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی
سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر
پچھتا نا پڑے“
(الحجرات: ۶)

اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت مقبول نہیں، توجیب
عارضی نوعیت کے واقعات میں فاسق کی خبر اور شہادت کا یہ حال ہے تو دینی مسائل
جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے حجت اور واجب الاتباع بننے والے ہوں ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور خود قرآن کریم نے بھی اسی مناسبت سے اپنا ایک نام ”الذکر“
بتایا ہے، جیسا کہ سورہ نحل کی آیت (۲۴) ”وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ میں ”الذکر“ سے مراد قرآن کریم ہے، اس لئے ”أهل الذکر“ کے
لفظی معنی اہل علم کے ہوئے۔ (تفسیر معارف القرآن، ص ۳۲۲ ج ۵، و تفسیر قرطبی، ص ۲۷۲ ج ۱)
(حاشیہ صفحہ ۵۸) لے حوالہ بالا۔

میں ان کی شخصی رائے کیسے معتبر ہو سکتی ہے ؟ اور جو بدعت فسق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کا مرتکب بھی فاسق ہے ، لہذا ایسے اہل بدعت کی رائے بھی اجماع میں معتبر نہیں ، اسی لئے جمہور علماء اہل سنت والجماعت نے شیعہ ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کا اجماع میں اعتبار نہیں کیا ۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ اجماع میں عوام کی موافقت و مخالفت معتبر نہیں ، اور اس دوسری آیت سے ثابت ہوا کہ فاسق اور اہل بدعت کی موافقت و مخالفت کا بھی اعتبار نہیں ، اس لئے حاصل ان دونوں آیتوں کا وہی ہے جو جمہور علماء نے اختیار کیا ، کہ اجماع صرف متبع سنت فقہاء کا معتبر ہے ، اور یہی بات ان احادیث سے ثابت ہوتی ہے جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ، ہم وہ احادیث خاصی تفصیل سے پیچھے بیان کر چکے ہیں ، یہاں ان کے الفاظ کا مختصر جائزہ لینا ہوگا ، جس سے جمہور کا مسلک بخوبی واضح ہو سکے گا ۔

① سب سے پہلی حدیث جو ہم نے اجماع کی حجت پر پیش کی ہے اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا (صریح) حکم قرآن و سنت میں نہ ملے تو اس میں آپ کا کیا حکم ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ :

شَاوِرُوا فِيهِ الْفُقَهَاءَ ” تم اس معاملہ میں فقہاء اور

وَالْعَابِدِينَ ۔ عابدین سے مشورہ کرو ”

اس حدیث میں صراحت ہے کہ جو لوگ فقہاء اور عابدین ہوں انہی کا مشورہ

قابل اتباع ہوگا ۔

② دوسری حدیث جو بارہ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہے اس میں

” پوری امت “ کا لفظ نہیں بلکہ مِنْ أُمَّتِي کا لفظ ہے ، جس کا حاصل یہ ہے کہ

” میری امت میں ایک جماعت حق پر قائم اور اس کے لئے برسرِ پیکار رہے گی۔ اس میں پوری امت کے تمام لوگوں کے حق پر قائم رہنے کی خبر نہیں دی گئی، بلکہ بتایا گیا ہے کہ امت میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، جو مخالفین سے حق کے لئے برسرِ پیکار رہے گی، اب خود اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اتباع حق پر قائم رہنے والی جماعت کا لازم ہوگا یا اس کے مخالفین کا ؟

(۳) تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ:

لَنْ تَزَالَ أُمَّرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ
مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ
” اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی رہے گی“

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب تو ہونہیں سکتا کہ اس امت کا ہر فرد نیکو کار اور ہدایت یافتہ رہے گا، کوئی بھی شخص غلطی نہیں کرے گا، کیونکہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے، اور اوپر کی اور بعد میں آنے والی حدیثیں بھی، لہذا مطلب مولے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس امت کا پورا مجموعہ باطل اور غلط بات پر متفق نہیں ہوگا، کچھ لوگ حق پر ضرور قائم رہیں گے، باقی جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، کیا کریں، یہ حق پر ڈٹے رہیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امت بحیثیت مجموعی گمراہی سے محفوظ رہے گی اور یہ وہی بات ہے جو اوپر کی حدیث میں آچکی ہے، اب خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حق پر ڈٹے رہیں گے، اتباع ان کا واجب ہوگا یا ان کے مخالفین کا ؟

(۴) چوتھی حدیث جو آٹھ صحابہ کرام نے روایت کی ہے اس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي
رَأْسًا وَلَا قَدَمًا
” اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر
مستفق نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ

ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللَّهِ عَلَى
الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ
شَذَّ إِلَى النَّارِ۔
”الجماعۃ“ پر ہے، اور جو الگ
راستہ اختیار کرے گا جہنم
کی طرف جائے گا۔

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ وہ بات آگئی ہے جو ہم اور پیغمبری حدیث کے ضمن میں کہہ آئے ہیں کہ ”امت کی حالت ہمیشہ سیدھی رہنے“ اور ”کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے“ کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص بھی کجروی یا گمراہی کا شکار نہ ہوگا، ہر فاسق و فاجر، بدعتی اور جاہل مسلمان جو مشورہ بھی دینی امور میں پیش کرے گا صحیح اور درست ہوگا، بلکہ اس حدیث کے آخری دو جملوں ”اللہ کا ہاتھ الجماعۃ پر ہے“ اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا“ نے بتا دیا کہ امت کی حالت سیدھی رہنے اور گمراہی پر متفق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے گی جو راہ ہدایت پر قائم رہے گی جس کے نتیجے میں امت بحیثیت مجموعی گمراہ ہو جانے سے محفوظ رہے گی، اس جماعت کو اللہ کی طرف سے خاص ہدایت و نصرت حاصل ہوگی، لوگوں پر لازم ہوگا کہ اس جماعت کی پیروی کریں اور جو ان سے الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اجماع صرف اسی جماعت کا حجت ہوگا، دوسروں کی موافقت پر موقوف اور مخالفت سے باطل نہ ہوگا۔

⑤ تا ⑩ حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۱۸) تک چار حدیثیں جو مجموعی طور پر ۳۴ صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہیں ان میں ”الجماعت“ کی پیروی کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا ہے اور اس کی مخالفت پر بولناک سزائیں بیان ہوئی ہیں۔

نویں حدیث میں ”سوادِ اعظم“ کی پیروی کا حکم ہے، اور وہیں ہم نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ”الجماعۃ“ اور ”سوادِ اعظم“

درحقیقت ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں، اور یہ دونوں نام اُن مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے پیرو ہوں، اسی بنا پر اُن کو ”أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ“ بھی کہا جاتا ہے۔
اور دسویں حدیث میں تو صراحت ہے کہ اس امت میں تہتہ فرقتے ہوں گے جن میں سے نجات یافتہ فرقہ صرف ان لوگوں کا ہے جو متبعِ سنت ہوں، باقی سب فرقے گمراہ ہیں۔

پس حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۱۰) تک سب حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیروی ان لوگوں کی لازم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے پیرو ہوں، اور ان کے مخالفین گمراہ اور سخت عذاب کے مستحق ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اجماع صرف متبعِ سنت مسلمانوں کا کافی ہوگا، یا فاسق اور اہل بدعت کی مخالفت کی وجہ سے اُسے باطل کر دیا جائے گا؟

حاصلِ کلام یہ کہ جمہور فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہے کہ اجماع میں عوام، اہل بدعت اور فاسق مسلمانوں کا اختلاف یا اتفاق معتبر نہیں، بلکہ صرف متبعِ سنت فقہاء کا اجماع ہی حجت ہے، قرآن و سنت کی تصریحات سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اور حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں؛

اجماع کی قسمیں

① اجماعِ قولی ② اجماعِ عملی ③ اجماعِ سکوتی

ان تینوں کی کچھ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

① اجماعِ قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات

کسی زمانہ میں اپنے قول سے کسی دینی مسئلہ پر اپنا اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ بیان سے اس کا استرار کیا۔

(۲) اجماعِ عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (جائز یا مستحب یا مسنون سمجھ کر) کرنے لگیں تو اس عمل کو بالا اجماع جائز یا مستحب یا مسنون سمجھا جائے گا۔ واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔

ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جو سنتِ مؤکدہ ہیں اُن کا سنتِ مؤکدہ ہونا صحابہ کرام کے اجماعِ عملی سے ثابت ہوا ہے۔

(۳) اجماعِ سُکُوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہو جائے یہاں تک کہ اُس زمانہ کے باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہو جائے، مگر وہ غور و فکر اور اظہارِ رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں، ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے۔

۱۔ تسہیل الوصول، ص ۱۶۸۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فرضِ ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کا سنتِ مؤکدہ ہونا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ قولیہ و فعلیہ سے بھی ثابت ہے لیکن یہ احادیثِ مبارکہ ”اخبارِ آحاد“ کے قبیل سے ہیں، جو ”حجتِ ظنیہ“ ہیں، لہذا ان اخبارِ آحاد سے ان چار رکعتوں کا سنتِ مؤکدہ ہونا درجہ ”ظن“ میں ثابت ہوتا ہے، لیکن جب ان کے سنتِ مؤکدہ ہونے پر صحابہ کرام کا اجماعِ عملی بھی ہو گیا تو ان کا ثبوت درجہ قطعیت کو پہنچ گیا۔ رفیع

اجماع کی ان تین قسموں میں سے پہلی دونوں قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی ”اجماع سکوتی“ کے حجت ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام احمدؒ، اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیت ہے، اور امام شافعیؒ، اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجت ہی نہیں، اور بعض فقہاء نے اسے حجت ظنیہ قرار دیا ہے۔^۱

یہ اجماع کی قسموں کا اجمالی بیان ہے، تفصیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کی مراجعت فرمائی جائے۔

اجماع کے مراتب | اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسب ذیل تین درجات ہیں:-

- ① سب سے قوی درجہ کا اجماع وہ ہے جو تمام صحابہ کرامؓ نے علی یا زبانی طور پر صراحت کیا ہو، اس کے حجت قطعیت ہونے پر پوری امدت کا اتفاق ہے۔
- ② دوسرا درجہ صحابہ کرام کے ”اجماع سکوتی“ کا ہے، یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجت قطعیت ہے، مگر اس کا منکر کافر نہیں، کیونکہ اس کے حجت ہونے میں امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

۱۔ یہاں تک ان تین قسموں کا بیان تسہیل الوصول، ص ۱۶۸ و ص ۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ التقرير، ص ۱۰۱ و ۱۰۲ ج ۳۔

۳۔ کیونکہ جو حضرات صرف اہل مدینہ یا صرف اہل بیت کے اتفاق کو اجماع کے لئے کافی سمجھتے ہیں تمام صحابہ کا اجماع اُن کے نزدیک بھی حجت قطعیت ہے، اس لئے کہ صحابہؓ میں اہل مدینہ اور اہل بیت بھی داخل ہیں۔ (تسہیل الوصول، ص ۱۷۳)

③ تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء نے کیا ہو، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے مگر ”حجت قطعیہ“ نہیں کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے ان کے اختلاف کی وجہ سے اس اجماع میں قطعیت باقی نہیں رہی، یہ درجہ میں ”سنت مشہورہ“ کی مانند ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں۔

ان سب درجات کی تفصیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔
نقل اجماع | اجماعی فیصلوں کے درجات کی جو ترتیب اور بیان ہوئی وہ اصل کے اعتبار سے ہے، لیکن جب

اجماعی فیصلہ کی خبر ہم تک پہنچے گی تو اس خبر کی روایت حقیقی قوی ہوگی ہمارے حق میں اس اجماعی فیصلہ کی تاثیر بھی اتنی ہی قوی ہوگی، اور روایت میں جس قدر ضعف ہوگا اس اجماعی فیصلہ کی تاثیر بھی ہمارے حق میں اتنی ہی ضعیف ہو جائے گی، چنانچہ تمام صحابہ کرام کا اجماع قوی یا عکلی جو درجہ اول کا اجماع ہے اور اپنی ذات میں ”حجت قطعیہ“ ہے، اگر اس کی خبر ہم تک ”تواتر“ سے پہنچے تب تو وہ ہمارے لئے بھی حجت قطعیہ باقی رہے گا، اور اس کا منکر کافر ہوگا، لیکن اس کی خبر ہم تک اگر قابل اعتماد سند سے تواتر کے بغیر پہنچے تو اس کی قطعیت ہمارے حق میں ختم ہو جائے گی، اور اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر متواتر حدیث کا ہوتا ہے، کہ وہ ”دلیل ظنی“ ہوتی ہے، شرعی احکام اس سے ثابت ہو سکتے ہیں، مگر اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

۱۔ مثلاً تسہیل الوصول، ص ۱۷۳ و ۱۷۴، اور التقریر والتجیر، ص ۸۰ تا ص ۹۲ ج ۳۔

۲۔ تسہیل الوصول، ص ۱۷۳۔

اور اگر اس کی خبر سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہو تو اس کا حکم وہ ہوگا جو ”حدیث ضعیف“ کا ہوتا ہے، کہ وہ حجت ہی نہیں، اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ کا ماتخذ ہونے کے اعتبار سے درجہ اول کے اجماع کی حیثیت ہمارے لئے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی، اگر وہ ہم تک تو اثر سے پہنچے تو ”دلیل قطعی“ ہے، تو اثر کے بغیر قابل اعتماد سند سے پہنچے تو ”دلیل ظنی“ ہے، اور سند ضعیف سے پہنچے تو وہ ہمارے لئے کسی حکم شرعی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

یہ اجماع اور اس کے مراتب کا صرف تعارف پیش کیا گیا ہے، تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، اس رسالہ کا اصل مقصود اجماع کا تعارف کرانا اور اس کا شرعی مقام واضح کرنا تھا، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنا کر شرف قبولیت سے نوازے اور آخرت بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، والصلوة
والسلام علی سیدنا خاتم النبیین، وعلی
آلہ وصحبہ اجمعین؛

بندہ ناکار محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم کراچی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ